امام حسینؑ دلربائے قلوب

مؤلف

رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ

سید علی الحسینی الخامنہ ای دام ظلہ العالی

ناشر

معراج کمپنی لاہور

نام کتاب.. امام حسینؑ دلربائے قلوب
مؤلف.................................... آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای دام ظلہ العالی
اردو تصحیح.. مجاہد حسین حرؔ
پروف ریڈنگ... خانم آر چوہدری
کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی۔ 0345-2401125
ناشر ....

ملنے کا پتا

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

042-37361214، 0321-4971214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد: 0333-5234311

انتساب

عالم ہستی کے امام حریت،
تاریخ انسانیت کے سب سے شجاع انسان،
میدان جنگ کے بطل جلیل،
کائنات کے سب سے عظیم سورما،
عزت وآزادی کے عالمی علمبردار،
حسینؑ ابن علیؑ کے نام؛
کہ جس کے لئے
آزاد انسانوں کی آنکھیں اشکبار،
دل مصمم ارادوں کے مالک،
عزم جواں ہیں!

"لَیسَ لِاَنفُسِکُم ثَمَن اِلَّا الجَنَّةَ فَلَا تَبِیعُوهَا بِغَیرِهَا"۔ [1]

"تمہاری جانوں کی جنت کے علاوہ کوئی اور قیمت نہیں ہے لہذا اپنی جانوں کو جنت کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض نہ بیچو"۔ (حضرت علی علیہ السلام)

[1] نہج البلاغۃ (للصبحی صالح)/556 / [465]456..... ص:556

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود وسلام ہو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام ورحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

جب سے ادارہ قائم کیا ایک خواہش تھی کہ آقائی رہبر معظم سید علی الحسینی الخامنہ ای مدظلہ العالی کی کتابیں شائع کی جائیں لیکن مصروفیات اور کچھ آقائی موصوف کی کتب کی غیر دستیابی کی بنا پر اس خواہش کی تکمیل میں تاخیر ہوئی۔ لیکن اب الحمد للہ جناب مولانا مجاہد حسین حرؔ صاحب نے رہبر معظم کی کتب فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور انہوں نے خدا کی بارگاہ سے امید ظاہر کی ہے کہ انشاء اللہ سو (۱۰۰) سے زائد کتب فراہم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اور ان کی اس سعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب "امام حسین علیہ السلام، دلربائے قلوب" میں سیرت امام حسین علیہ السلام کا حقیقی انداز سے جائزہ لیا گیا ہے۔

"امام حسین علیہ السلام، دلربائے قلوب"؛ دراصل واقعہ کربلا کے پس پردہ حقیقی عوامل اور اہداف ونتائج پر مکتب کربلا کے ایک حقیقی پیروکار، سچے عاشق حسین علیہ السلام، مجاہد ومبارز، حضرت امام

خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند صادق، کربلائے عصر کے سورماو دلیر انسان، بطل جلیل اور فرزند اسلام حضرت آقائی سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ کے خطبات وتقاریر کا وہ نادر مجموعہ ہے جسے مؤسسہ قدر ولایت تہران نے شائع کیا۔

"امام حسین علیہ السلام، دلربائے قلوب" میں واقعہ کربلا سے ماقبل وبعد کے سیاسی اجتماعی اور ثقافتی حالات کا تحلیلی انداز سے جائزہ لے کر موجودہ عصر کے تقاضوں سے اسے ہم آہنگ کر کے ذمہ داریوں کو مشخص کیا گیا ہے۔

امید ہے یہ کتاب یقیناً قاری کے ذہن میں نئے دریچہ ہائے فکر کو کھولنے میں مددگار ثابت ہوگی تاکہ ہم اپنی اجتماعی، سیاسی اور ثقافتی ذمہ داریوں کو سمجھ کر بطریق احسن انہیں انجام دیں سکیں۔

زیر نظر کتاب کی اشاعت ہمارے لئے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین الٰہی کی نشر واشاعت کے لئے کام کررہے ہیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت تمام امت مسلمہ کو عزت وسربلندی عطا فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی عقائدی، عقیدتی، بداخلاقی اور دیگر آفات وبلیات سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

ادارہ معراج کمپنی شیخ محمد باقر امین صاحب کی دادی مرحومہ کے نام پر قائم کیا گیا ہے۔ مومنین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ادارہ

فہرست کتاب

امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ کا اجمالی جائزہ

ہدف کے حصول میں امام حسین علیہ السلام کا عزم وحوصلہ اور شجاعت

امام حسین علیہ السلام کے قیام اور مقصد شہادت سے متعلق مختلف نظریات

انحراف کی اقسام

سید الشہدا علیہ السلام کی یاد اور کربلا کیوں زندہ رہے؟

آج واجب ترین کام کیا ہے؟

امام حسین علیہ السلام کا ہدف اور اُس کی راہ میں حائل رکاوٹیں

کربلا اور عبرتیں

واقعہ کربلا کے پس پردہ عوامل

کربلا میں پوشیدہ اسرار ورُموز

حسینی تحریک کا خلاصہ

تحریک امام حسین علیہ السلام میں مضمر تین عظیم پہلو

امام حسین علیہ السلام اُسوہ انسانیت

میرے عزیز دوستو! حسین ابن علی علیہما السلام کا نام گرامی بہت ہی دلکش نام ہے؛ جب ہم احساسات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں امام حسین علیہ السلام کے نام کی خاصیت اور حقیقت ومعرفت یہ ہے کہ یہ نام دلربائے قلوب ہے اور مقناطیس کی مانند دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ البتہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے افراد بھی ہیں جو ایسے نہیں ہیں اور امام حسین علیہ السلام کی معرفت وشناخت سے بے بہرہ ہیں، دوسری طرف ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں کہ جن کا شمار اہل بیت علیہم السلام کے شیعوں میں نہیں ہوتا لیکن اُن کے درمیان بہت سے ایسے افراد ہیں کہ حسین ابن علی علیہما السلام کا مظلوم نام سنتے ہی اُن کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو جاتا ہے وراُن کے دل منقلب ہوجاتے ہیں۔ خداوند عالم نے امام حسین علیہ السلام کے نام میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ جب اُن کا نام لیا جاتا ہےتو ہماری قوم سمیت دیگر مما لک کے شیعوں کے دل و جان پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقدس ذات سے احساساتی لگاؤ کی تفسیر۔

اہل بصیرت کے درمیان ہمیشہ سے یہی ہوتا رہا ہے جیسا کہ روایات اور تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے، حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کے گھر اور اِن بزرگوار ہستیوں کی زندگی میں بھی اِس عظیم ذات کو مرکزیت حاصل تھی اور یہ ہمیشہ اِن عظیم المرتبت ہستیوں کے عشق و محبت کا محور رہا ہے اور آج بھی ایسا ہی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی تعلیمات اور دعائیں

تعلیمات اور دعاؤں کے لحاظ سے بھی یہ عظیم المرتبت ہستی اور اُن کا اسم شریف بھی کہ جو اُن کے عظیم القدر مسمّیٰ (ذات) کی طرف اشارہ کرتا ہے، اِسی طرح ہے۔ آپ کے کلمات و ارشادات، معرفت الٰہی کے گرانبہا گوہروں سے لبریز ہیں۔ آپ روزِعرفہ، امام حسین علیہ السلام کی اِسی دعائے عرفہ کو ملاحظہ کیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ بھی زبور آل محمد علیہم السلام (صحیفہ سجادیہ) کی مانند عشق و معرفت الٰہی کے خزانوں اور اُس کے حسن و جمال کے حَسین نغموں سے مالا مال ہے۔ یہاں تک کہ انسان جب امام سجاد علیہ السلام کی بعض دعاؤں کا دعائے عرفہ سے موازنہ کرتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام کی دعائیں درحقیقت امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ کی ہی تشریح و توضیح ہیں، یعنی دعائے عرفہ "اصل" ہے اور صحیفہ سجادیہ کی دعائیں اُس کی "فرع"۔ عجیب وغریب دعائے عرفہ، واقعہ کربلا اور زندگی کے دیگر مواقع پر آپؑ کے ارشادات، کلمات اور خطبات ایک عجیب معانی اور روح رکھتے ہیں اور عالم ملکوت کے حقائق اور عالی ترین معارف الٰہیّہ کا ایسا بحر بیکراں ہیں کہ آثار اہل بیت علیہم السلام میں جن کی نظیر بہت کم ہے۔

سید الشہدا علیہ السلام، انسانوں کے آئیڈیل

بزرگ ہستیوں کی تأسّی و پیروی اور اولیائے خدا سے انتساب و نسبت، اہل عقل و خرد ہی کا شیوہ رہا ہے۔ دنیا کا ہر ذی حیات موجود، آئیڈیل کی تلاش اور اُسوہ و مثالی نمونے کی جستجو میں ہے، لیکن یہ سب اپنے آئیڈیل کی تلاش میں صحیح راستے پر قدم نہیں اٹھاتے ہیں۔ اِس دنیا میں بعض افراد ایسے بھی ہیں کہ اگر اُن سے دریافت کیا جائے کہ وہ کون سی شخصیت ہے کہ جو آپ کے ذہن و قلب پر چھائی ہوئی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اُن حقیر اور پست انسانوں کا پتہ بتائیں گے

کہ جنہوں نے اپنی زندگی خواہشات نفسانی کی بندگی و غلامی میں گزاری ہے۔ اِن آئیڈیل بننے والے افراد کی عادات وصفات، غافل انسانوں کے سِوا کسی اور کو اچھی نہیں لگتیں اور یہ معمولی اور غافل انسانوں کو ہی صرف چند لمحوں کے لئے سرگرم کرتے ہیں اور دنیا کے معمولی انسانوں کے ایک گروہ کے لئے تصوّراتی شخصیت بن جاتے ہیں۔ بعض افراد اپنے آئیڈیل کی تلاش میں بڑے بڑے سیاستدانوں اور تاریخی ہیروؤں کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور اُنہیں اپنے لئے مثالی نمونہ اور اُسوہ قرار دیتے ہیں لیکن عقلمندترین انسان وہ ہیں جو اولیائے خدا کو اپنا اُسوہ اور آئیڈیل بناتے ہیں کیونکہ اولیائے الٰہی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اِس حد تک شجاع، قدرت منداور صاحب ارادہ واختیار ہوتے ہیں کہ اپنے نفس اور جان ودل کے خود حاکم وامیر ہوتے ہیں یعنی اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کے غلام اور اسیر نہیں بنتے۔

ایک حکیم (دانا) کا بے مثال جواب

قدیم حکماء اور فلسفیوں میں سے کسی کے لئے منسوب ہے کہ اُس نے سکندر رومی "مقدونی" سے کہا کہ "تم ہمارے غلاموں کے غلام ہو۔" سکندراعظم یہ بات سن کر برہم ہوگیا۔

اُس حکیم نے کہا کہ "غصہ نہ کرو، تم اپنے غصے اور شہوت کے غلام ہو۔ تم جب بھی کسی چیز کو حاصل کرتے ہو تو اُس وقت بھی بے تاب اور مضطرب ہوتے ہو اور جب غصہ کرتے ہو تو اُس وقت بھی پریشانی و بے کلی کی کیفیت تم پر سوار رہتی ہے اور یہ شہوت وغضب کے مقابلے میں تمہاری غلامی کی علامت ہے جبکہ میری شہوت وغضب میرے غلام ہیں"۔

ممکن ہے کہ یہ قصہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ یہ بالکل حقیقت نہ رکھتا ہو لیکن اولیائے خدا، پیغمبروں اور بشریت کے لئے خدائی ہدایت کی شاہراہ کے راہنماؤں کے لئے یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔ اِس کی زندہ مثالیں حضرت یوسفؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ ہیں اور اِس

کی متعدد مثالیں ہمیں اولیائے الٰہی کی زندگی میں نظر آتی ہیں۔ اہل عقل وخرد وہ انسان ہیں کہ جو اِن بزرگ ہستیوں اور اِن شجاع اور صاحب ارادہ واختیار انسانوں کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں اور اِس راستے پر گامزن ہوکر اپنے باطن میں اپنے ارادے واختیار کے مالک بن جاتے ہیں۔

واقعہ کربلا سے قبل امام حسین علیہ السلام کی شخصیت وفعالیت

اِن بزرگ ہستیوں کے درمیان بھی بہت سی عظیم شخصیات پائی جاتی ہیں کہ جن میں سے ایک شخصیت حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہے۔حق تو یہ ہے کہ یہ کہنا چاہئے کہ ہم خاکی، حقیر اور ناقابل انسان بلکہ تمام عوالم وجود، بزرگان واولیا کی ارواح اور تمام ملائکہ مقربین اور اِن عوالم میں موجود تمام چیزوں کے لئے جو ہمارے لئے واضح وآشکار نہیں ہیں، امام حسین علیہ السلام کا نورِ مبارک، آفتاب کی مانند تابناک ودرخشاں ہے۔اگر انسان اِس نورِ آفتاب کے زیر سایہ زندگی بسر کرے تو اُس کا یہ قدم بہت سودمند ہوگا۔

توجہ کیجئے کہ امام حسین علیہ السلام نہ صرف یہ کہ فرزند پیغمبرؐ تھے بلکہ علی ابن ابی طالب علیہما السلام و فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بھی نورچشم تھے اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو ایک انسان کو عظمت عطا کرتی ہیں۔سید الشہدا علیہ السلام عظیم خاندان نبوت، دامن ولایت وعصمت اور جنتی اور معنوی فضا وماحول کے تربیت یافتہ تھے لیکن اُنہوں نے صرف اسی پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ جب حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی عمر مبارک آٹھ،نو برس کی تھی اور جب امیر المومنین علیہ السلام نے جام شہادت نوش کیا تو آپ سینتیس یا اڑتیس سال کے نوجوان تھے۔امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں کہ جو امتحان وآزمائش اور محنت وجدوجہد کا زمانہ تھا، آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ اپنی صلاحیتوں اور استعداد کو پروان چڑھانے میں بھرپور محنت کی اور ایک مضبوط و مستحکم اور درخشاں وتابناک شخصیت کی حیثیت سے اُبھرے۔

اگر ایک انسان کا حوصلہ اور ہمت ہمارے جیسے انسانوں کی مانند ہوتو وہ کہے گا کہ بس اتنی ہمت وحوصلہ کافی ہے، بس اتنا ہی اچھا ہے اور خدا کی عبادت اور دین کی خدمت کے لئے ہمت وحوصلے کی اتنی مقدار ہمارے لئے کافی ہوگی لیکن یہ حسینی ہمت وحوصلہ نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے برادر بزگوار کے زمانہ امامت میں کہ آپ ماموم اور امام حسن علیہ السلام امام تھے، اپنی پوری طاقت وتوانائی کو اُن کے لئے وقف کردیا تاکہ اسلامی تحریک کو آگے بڑھایا جاسکے؛ یہ دراصل اپنے برادر بزرگوار کے شانہ بشانہ وظائف کی انجام دہی، پیشرفت اور اپنے امامِ زمانہ کی مطلق اطاعت ہے اور یہ سب ایک انسان کے لئے عظمت وفضیلت کا باعث ہے۔ آپ امام حسین علیہ السلام کی زندگی میں ایک ایک لمحے پر غور کیجئے۔ شہادت امام حسن علیہ السلام کے وقت اور اُس کے بعد جو ناگوار حالات پیش آئے، آپ نے اُن سب کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور تمام مشکلات کو برداشت کیا۔ امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ تقریباً دس سال اور چند ماہ زندہ رہے؛ لہٰذا آپ توجہ کیجئے کہ امام حسین علیہ السلام نے واقعہ کربلا سے دس سال قبل کیا کام انجام دیئے۔

دین میں ہونے والی تحریفات سے مقابلہ

امام حسین علیہ السلام کی عبادت اور تضرّع وزاری، توسُّل، حرم پیغمبرؐ میں آپ کا اعتکاف اور آپ کی معنوی ریاضت اور سیر وسلوک؛ سب امام حسین علیہ السلام کی حیات مبارک کا ایک رُخ ہے۔ آپ کی زندگی کا دوسرا رُخ علم اور تعلیمات اسلامی کے فروغ میں آپ کی خدمات اور تحریفات سے مقابلہ کئے جانے سے عبارت ہے۔ اُس زمانے میں ہونے والی تحریف دین درحقیقت اسلام کے لئے ایک بہت بڑی آفت وبلا تھی کہ جس نے برائیوں کے سیلاب کی مانند پورے اسلامی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اسلامی سلطنت کے شہروں، ممالک اور مسلمان قوموں کے درمیان اِس بات کی تاکید کی جاتی تھی کہ اسلام کی سب سے عظیم

ترین شخصیت پر لعن اور سبّ وشتم کریں۔ اگر کسی پر الزام ہوتا کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت و امامت کا طرفدار اور حمایتی ہے تو اُس کے خلاف قانونی کاروائی کی جاتی، "اَلْقَتْلُ بِالظِّنَّةِ وَالْاَخْذُ بِالتُّهَمَةِ"، (صرف اِس گمان وخیال کی بنا پر کہ یہ امیر المومنین کا حمایتی ہے، قتل کردیا جاتا اور صرف الزام کی وجہ سے اُس کا مال ودولت لوٹ لیا جاتا اور بیت المال سے اُس کا وظیفہ بند کردیا جاتا)۔

اِن دشوار حالات میں امام حسین علیہ السلام ایک مضبوط چٹان کی مانند جمے رہے اور آپ نے تیز اور برندہ تلوار کی مانند دین پر پڑے ہوئے تحریفات کے تمام پردوں کو چاک کردیا، (میدان منیٰ میں) آپ کا وہ مشہور ومعروف خطبہ اور علما سے آپ کے ارشادات یہ سب تاریخ میں محفوظ ہیں اور اِس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام اِس سلسلے میں کتنی بڑی تحریک کے روح رواں تھے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

آپ علیہ السلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی وسیع پیمانے پر انجام دیا اور یہ امر و نہی، معاویہ کے نام آپ کے خط کی صورت میں تاریخ کے اوراق کی ایک ناقابل انکار حقیقت اور قابل دید حصّہ ہیں۔ اتفاق کی بات تو یہ ہے کہ اِس خط کو کہ جہاں تک میرے ذہن میں ہے، اہل سنت مورخین نے نقل کیا ہے، یعنی میں نے نہیں دیکھا کہ شیعہ مورخین نے اُسے نقل کیا ہو یا اگر نقل بھی کیا ہے تو سنی مورخین سے نقل کیا ہے۔ آپ کا وہ عظیم الشّان خط اور آپ کا مجاہدانہ اور دلیرانہ انداز سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دینا دراصل یزید کے سلطنت پر قابض ہونے سے لے کر مدینے سے کربلا کے لئے آپ علیہ السلام کی روانگی تک کے عرصے پر مشتمل ہے۔ اِس دوران آپؑ کے تمام اقدامات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھے۔ آپ علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

"اُرِیدُ اَن آمُرَ بِالمَعرُوفِ وَ اَنھٰی عَنِ المُنکَرِ"
"میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چاہتا ہوں۔"

زندگی کے تین میدانوں میں امام حسین علیہ السلام کی جدوجہد

توجہ فرمائیے کہ ایک انسان مثلاً امام حسین علیہ السلام اپنی انفرادی زندگی "تہذیب نفس اور تقویٰ" میں بھی اتنی بڑی تحریک کے روح رواں ہیں اور ساتھ ساتھ ثقافتی میدان میں بھی تحریفات سے مقابلہ، احکام الٰہی کی ترویج و اشاعت، شاگردوں اور عظیم الشان انسانوں کی تربیت کو بھی انجام دیتے ہیں نیز سیاسی میدان میں بھی کہ جو اُن کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے عبارت ہے، عظیم جدوجہد اور تحریک کے پرچم کو بھی خود بلند کرتے ہیں۔ یہ عظیم انسان انفرادی، ثقافتی اور سیاسی زندگی میں بھی اپنی خودسازی میں مصروف عمل ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ کا اجمالی جائزہ

امام حسین علیہ السلام کی زندگی کے تین دور

سب سے پہلے مرحلے پر یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ واقعہ کتنا عظیم ہے تا کہ اِس کے علل و اسباب کو تلاش کیا جائے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ واقعہ کربلا میں صرف قتل ہوا ہے اور چند افراد قتل کر دیئے گئے ہیں جیسا کہ ہم سب زیارت عاشورا میں پڑھتے ہیں کہ "لَقَد عَظُمَتِ الرَّزِیَّۃُ وَ جَلَّت وَ عَظُمَتِ المُصِیبَۃُ"۔ یہ مصائب و مشکلات بہت بڑی تھیں۔ "رزیّۃ" یعنی بہت عظیم حادثہ؛ یہ حادثہ اور واقعہ بہت عظیم اور کمر توڑ دینے والا اور اپنی نوعیت کا بے نظیر واقعہ ہے۔ لہٰذا اِس واقعہ کی عظمت و بزرگی کا اندازہ لگانے کے لئے میں سید الشہداء علیہ السلام کی حیات طیبہ سے تین ادوار کو اجمالی طور پر آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ سید الشہداء علیہ السلام کی حیات کے اِن تین ادوار کا مطالعہ کرنے والا شخص اِن تینوں زمانوں میں ایک ایسی شخصیت کو سامنے پاتا ہے کہ جس کے لئے یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ نوبت یہاں تک جا پہنچے گی کہ اِس شخصیت کے جدّ کی امت کے کچھ افراد روز عاشورا اُس کا محاصرہ کرلیں اور اُسے اور اُس کے اصحاب و اہل بیت علیہم السلام کا نہایت سفاکانہ اور دردناک طریقے سے قتل عام کریں اور خواتین کو اسیر و قیدی بنالیں!

اِن تینوں زمانوں میں سے ایک دور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کا زمانہ ہے، دوسرا

زمانہ آپؑ کی جوانی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد پچیس سال اور امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت تک کا زمانہ ہے جبکہ تیسرا زمانہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بیس سال کے عرصے پر محیط ہے۔

دورِ طفولیت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اِس نورانی دور میں امام حسین علیہ السلام حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ چشم تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صاحبزادی تھیں بنام فاطمہ سلام اللہ علیہا کہ اُس زمانے کے تمام مسلمان جانتے تھے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے بارے میں فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ لَیَغضِبَ لِغَضَبِ فَاطِمَۃَ وَیَرضیٰ لِرِضَاھَا" [1]

"اگر کسی نے فاطمہ کو غضبناک کیا تو اُس نے غضب خدا کو دعوت دی ہے اور اگر کسی نے فاطمہ کو خوش کیا تو اُس نے خدا کو خوشنود کیا"۔

توجہ فرمایئے کہ یہ صاحبزادی کتنی عظیم المرتبت ہے کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع عام میں اور کثیر تعداد کے سامنے اپنی بیٹی کے بارے میں اِس طرح گفتگو فرماتے ہیں؛ یہ کوئی عام بات نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اِس بیٹی کا ہاتھ اسلامی معاشرے کے اُس فرد کے ہاتھ میں دیا کہ جو عظمت و بلندی اور اپنی شجاعت و کارناموں کی وجہ سے بہت بلند درجے پر فائز تھا، یعنی علی ابن ابی طالب علیہما السلام۔ یہ جوان، شجاع، شریف، سب سے زیادہ باایمان، مسلمانوں میں سب سے زیادہ شاندار ماضی کا حامل، سب سے زیادہ شجاع اور تمام نبردو میدان عمل میں آگے آگے تھا۔ یہ وہ ہستی ہے کہ اسلام جس کی شمشیر کا مرہونِ منت ہے، یہ جوان ہر اُس جگہ آگے آگے نظر آتا ہے

---

[1] بحار الانوار، جلد ۴۳ صفحہ ۴۴

کہ جہاں سب (بڑے بڑے سورما اور دلیر) پیچھے رہ جاتے ہیں، اپنے مضبوط ہاتھوں سے گھتّیوں کو سلجھاتا ہے اور راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو تہس نہس کر دیتا ہے؛ یہ وہ عزیز ترین اور محبوب ترین داماد ہے کہ جسے خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی دی ہے۔ اُس کی یہ محبوبیت رشتہ داری اور اقربا پروری اور اِسی جیسے دیگر امور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اُس شخصیت کی عظمت کی وجہ سے ہے۔ اِس عظیم جوان اور اِس عظیم المرتبت بیٹی سے ایک ایسا بچہ جنم لیتا ہے کہ جو حسین ابن علی علیہما السلام کہلاتا ہے۔

البتہ یہی تمام باتیں اور عظمتیں امام حسن علیہ السلام کے بارے میں بھی ہیں لیکن ابھی ہماری بحث صرف سید الشہد ا علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ حسین ابن علی علیہما السلام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دنیائے اسلام کے سربراہ، اسلامی معاشرے کے حاکم اور تمام مسلمانوں کے محبوب رسول اور قائد ہیں، اِس بچے کو اپنی آغوش میں لیتے ہیں اور اُسے اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے ہیں۔ سب ہی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ بچہ، تمام مسلمانوں کی محبوب ترین ہستی کے دل کا چین، آنکھوں کا نور اور اُس کا محبوب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، منبر پر خطبہ دینے میں مصروف ہیں، اِس بچے کا پیر کسی چیز سے الجھتا ہے اور زمین پر گر جاتا ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لاتے ہیں، اُسے اپنی گود میں اٹھا کر پیار اور نوازش کرتے ہیں؛ یہ ہے اِس بچے کی اہمیت و حقیقت!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ سات سال کے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

"سَیِّدَیْ شَبَابِ اَھلِ الجَنَّۃِ" [1]

یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

---

[1] بحار الانوار، جلد ۱۰، صفحہ ۳۵۳

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) یہ تو ابھی بچے ہیں، ابھی تو سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے اور انہوں نے جوانی کی دہلیز میں ابھی تک قدم نہیں رکھا ہے؛ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ جوانانِ جنت کے سردار ہیں یعنی یہ بچے چھ سات سال میں بھی ایک جوان کی مانند ہیں، یہ سمجھتے ہیں، ادراک رکھتے ہیں، عملی اقدام کرتے ہیں اور شرافت و عظمت اِن کے وجود میں موجزن ہے۔ اگر اُسی زمانے میں کوئی یہ کہتا کہ یہ بچہ، اِسی پیغمبر کی اُمت کے ہاتھوں بغیر کسی جرم وخطا کے قتل کر دیا جائے گا تو اُس معاشرے کا کوئی بھی شخص اِس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ جیسا کہ پیغمبرؐ نے یہ فرمایا اور گریہ کیا تو سب افراد نے تعجب کیا کہ کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے؟!

امام حسین علیہ السلام کا دورِ جوانی

دوسرا دور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سے امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت تک کا پچیس سالہ دور ہے۔ اِس میں یہ شخصیت، جوان، رشید، عالم اور شجاع ہے، جنگوں میں آگے آگے ہے، عالم اسلام کے بڑے بڑے کاموں میں حصہ لیتا ہے اور اسلامی معاشرے کے تمام مسلمان اِس کی عظمت و بزرگی سے واقف ہیں۔ جب بھی کسی جواد وسخی کا نام آتا ہے تو سب کی نگاہیں اِسی پر متمرکز ہوتی ہیں، مکہ و مدینے کے مسلمانوں میں، ہر فضیلت میں اور جہاں جہاں اسلام کا نور پہنچا، یہ ہستی خورشید کی مانند جگمگا رہی ہے، سب ہی اُس کا احترام کرتے ہیں، خلفائے راشدین بھی امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا احترام کرتے ہیں، اِن دونوں کی عظمت و بزرگی کے قولاً و عملاً قائل ہیں، ان دونوں کے نام نہایت احترام اور عظمت سے لئے جاتے ہیں، اپنے زمانے کے بے مثل ونظیر جوان اور سب کے نزدیک قابل احترام۔ اگر اُنہی ایام میں کوئی یہ کہتا کہ یہی جوان (کہ جس کی آج تم اتنی تعظیم کررہے ہو) کل اِسی امت کے ہاتھوں قتل کیا جائے گا تو شاید کوئی یقین نہ کرتا۔

امام حسین علیہ السلام کا دورِ غربت

سید الشہدا علیہ السلام کی حیات کا تیسرا دور، امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کا دور ہے، یعنی اہل بیت علیہم السلام کی غربت وتنہائی کا دور۔ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام مدینے تشریف لے آئے۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام بیس سال تک تمام مسلمانوں کے معنوی امام [1] رہے اور آپ تمام مسلمانوں میں ایک بزرگ مفتی کی حیثیت سے سب کے لئے قابل احترام تھے۔ آپ عالم اسلام میں داخل ہونے والوں کی توجہ کا مرکز، اُن کی تعلیم وتربیت کا محور اور اہل بیت علیہم السلام سے اظہار عقیدت ومحبت رکھنے والے افراد کے توسل وتمسک کے نقطہ ارتکاز کی حیثیت سے مدینے میں زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ، محبوب، بزرگ، شریف، نجیب اور عالم وآگاہ شخصیت کے مالک تھے۔

آپ نے معاویہ کو خط لکھا، امام حسین علیہ السلام اگر کسی بھی حاکم کو تنبیہ کی غرض سے خط تحریر فرماتے تو عالم اسلام کے نزدیک اُس کی سزا موت تھی، معاویہ پورے احترام کے ساتھ یہ خط وصول کرتا ہے، اُسے پڑھتا ہے، تحمل کرتا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔ اگر اُسی زمانے میں کوئی یہ کہتا کہ آئندہ چند سالوں میں یہ محترم، شریف اور نجیب وعزیز شخصیت کو کہ جو تمام مسلمانوں کی نگاہوں میں اسلام وقرآن کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اسلام وقرآن کے اِنہی ماننے والوں کے ہاتھوں قتل کردیا جائے گا اور وہ بھی اُس دردناک طریقے سے کہ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا تو کوئی بھی

---

[1] معنوی امام اس لحاظ سے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت، امام حسن علیہ السلام کو منتقل ہوئی اور آپ کی شہادت کے بعد امامت، امام حسین علیہ السلام کو منتقل ہوئی۔ امام حسن علیہ السلام کی امامت کا زمانہ یا امام حسین علیہ السلام کی اپنی امامت کا دور، دونوں زمانوں میں امام حسین علیہ السلام ۲۰ سال تک تمام مسلمانوں کے معنوی امام رہے۔ (مترجم)

اِس بات پر یقین نہیں کرتا۔لیکن اپنی نوعیت کا عجیب وغریب، حیرت انگیز اور یہی نا قابل یقین واقعہ رونما ہوااور کن افراد کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا؟ وہی لوگ جواُس کی خدمت میں دوڑ دوڑ کر آتے تھے،سلام کرتے تھے اور اپنے خلوص کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اِن (متضاد) باتوں کا کیا مطلب ہے؟ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ اِن پچاس سالوں میں معنویت اور اسلام کی حقیقت سے بالکل خالی ہوگیا تھا، یہ معاشرہ صرف نام کا اسلامی تھالیکن باطن بالکل خالی اور پوچ اور یہی خطرے کی سب سے بڑی بات ہے۔نمازیں ہورہی ہیں،نماز باجماعت میں لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے، لوگوں نے اپنے اوپر مسلمانی کا لیبل لگایا ہوا ہے اور کچھ لوگ تو اہل بیت علیہم السلام کے طرفدار اور حمایتی بھی بنے ہوئے ہیں!!

اہل بیت رسولؐ عالم اسلام میں قابل احترام

میں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ پورے عالم اسلام میں سب ہی اہل بیت علیہم السلام کوقبول کرتے ہیں اور کسی کو اِس میں کسی بھی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔اہل بیت علیہم السلام کی محبت تمام عالم اسلام کے دلوں میں موجود ہے اور آج بھی یہی صورتحال ہے۔آج بھی آپ دنیائے اسلام کے کسی بھی حصے میں جایئے، آپ دیکھیں گے کہ سب اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرتے ہیں۔ وہ مسجد جو امام حسین علیہ السلام سے منسوب ہے اور وہ مسجد جو قاہرہ میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے منسوب ہے، ہمیشہ زوّاروں سے پُر رہتی ہے۔لوگ بڑی تعداد میں یہاں آتے ہیں، قبر کی زیارت کرتے ہیں اور توسل کرتے ہیں۔

ابھی دوتین سال قبل [1] ایک نئی کتاب مجھے دی گئی؛ چونکہ قدیمی کتابوں میں یہ مطالب بہت زیادہ ہیں، یہ کتاب ”اہل بیت علیہم السلام کون ہیں“؟ کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔سعودی عرب

[1] تقریباً ۱۹۹۸میں کیونکہ یہ تقریر سن ۲۰۰۰ کی ہے۔

کے ایک محقق نے تحقیق کر کے اِس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے مراد علی علیہ السلام، فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام ہیں۔ یہ حقیقت تو ہم شیعوں کی جان روح کا حصہ ہے لیکن ہمارے اِس سنی مسلمان بھائی نے اس حقیقت کو لکھا اور طبع کیا ہے۔ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے اور اِس کے ہزاروں نسخے چھپ کر فروخت ہو چکے ہیں۔ [1]

---

[1] خطبہ نماز جمعہ، ۸/ ۰۵/ ۲۰۰۰

ہدف کے حصول میں امام حسین علیہ السلام کا عزم وحوصلہ اور شجاعت

دشمن کے خلاف جنگ کی بہترین حکمت عملی

میرے دوستو! ایسا انسان اسوہ عمل قرار دیئے جانے کا حقدار ہے۔ یہ تمام باتیں اور یہ (انفرادی، ثقافتی اور سیاسی میدان اور اِن میں آپ کی فعالیت) واقعہ کربلا سے قبل ہے۔ ان تینوں مراحل میں امام حسین علیہ السلام نے ایک لمحے کے لئے توقف نہیں فرمایا اور ہر آن و ہر لمحے اپنے ہدف کی جانب بڑھتے رہے۔ لہٰذا ہمیں بھی کسی بھی لمحے کو ضائع نہیں کرنا چاہیے ممکن ہے وہی ایک لمحے کا توقف و آرام دشمن کے تسلط کا باعث بن جائے۔ دشمن ہماری کمزوریوں اور فصیل کے غیر محفوظ حصوں کی تلاش میں ہے تا کہ اندر نفوذ کر سکے اور وہ اِس بات کا منتظر ہے کہ ہم رُکیں اور وہ حملہ کرے۔ دشمن کے حملے کو روکنے اور اُسے غافل گیر کرنے کا سب سے بہترین راستہ آپ کا حملہ ہے اور آپ کی اپنے مقصد کی طرف پیشقدمی اور پیشرفت دراصل دشمن پر کاری ضرب ہے۔

بعض افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ دشمن پر حملے کا مطلب یہ ہے کہ انسان صرف توپ اور بندوق وغیرہ کو ہی دشمن کے خلاف استعمال کرے یا سیاسی میدان میں فریاد بلند کرے، البتہ یہ تمام امور اپنے اپنے مقام پر صحیح اور لازمی ہیں؛ جی بالکل لازمی ہے کہ انسان سیاسی میدان میں

اپنی آواز دوسروں تک پہنچائے۔ بعض افراد یہ خیال نہ کریں کہ ہم ثقافت کی بات کرتے ہیں تو اِس کا مطلب دشمن کے خلاف فریاد بلند کرنا ہے تا کہ وہ اپنے ثقافتی حملوں کو روک دے، نہیں؛ البتہ یہ کام اپنی جگہ درست اور لازمی ہے لیکن راہ حل صرف یہ ایک عمل نہیں ہے۔

انسان کا اپنے لیے، اپنی اولاد، ماتحت افراد اور امت مسلمہ کے لئے تعمیر نو کے حوالے سے کام کرنا دراصل عظیم ترین کاموں سے تعلق رکھتا ہے۔ دشمن مسلسل کوششیں کررہا ہے تا کہ کسی طرح بھی ہو سکے ہم میں نفوذ کرے؛ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ دشمن ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے! ہمارا دشمن اپنی تمام تر ظاہری خوبصورتی کے ساتھ ہمارے مقابلے پر ہے اور پورے مغربی استکبار اور اپنی منحرف شدہ جاہلانہ اور طاغوتی ثقافت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ دشمن کئی صدیوں قبل وجود میں آچکا ہے اور اِس نے پوری دنیا کے اقتصادی، ثقافتی، انسانی اور سیاسی وسائل پر اپنے ہاتھ پیر جمالئے ہیں۔ لیکن اب اِسے ایک اہم ترین مانع ”سچے اور خالص اسلام“ کا سامنا ہے۔ یہ اسلام کھوکھلا اور ظاہری وخشک اسلام نہیں ہے کہ جس نے دشمن کا راستہ روکا ہے؛ ہاں ایک ظاہری اور کھوکھلا اسلام بھی موجود ہے کہ جس کے پیروکاروں کا نام صرف مسلمان ہے۔ یہ عالم استکبار اِن نام نہاد مسلمانوں کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ ہے، یہ مل کر آپس میں گپ لگاتے ہیں اور ظاہری سی بات ہے کہ انہیں ایسے مسلمانوں اور اسلام سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

خالص اسلام کی نشانی

دشمن کی آنکھ کا کانٹا اور اُس کی راہ کی رکاوٹ دراصل وہ سچا اور خالص اسلام ہے کہ جسے قرآن روشناس کرتا ہے اور وہ ”وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا“[1] ”اللہ نے اہل ایمان پر کافروں کی برتری وفضیلت کی کوئی راہ قرار نہیں دی ہے“ اور ”اَنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا

---

[1] سورۂ نساء: ۱۴۱

لِلّٰہِ "، "حکم صرف خدا ہی کا ہے"، کا اسلام ہے۔ اگر آپ کسی دائرے کو تھوڑا سا کم کریں تو آپ دائرے کے مرکز سے نزدیک ہوجائیں گے، یعنی یہ واقعی اور خالص اسلام "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ" [1] "اللہ نے مومنین میں سے کچھ کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے اور اُن کے لئے جنت قرار دی ہے"، کا اسلام ہے۔ یہ آپ لوگوں کا اسلام ہے کہ جن کے جسموں میں ابھی تک دشمن کی گولیاں موجود ہیں اور جو سرتا پا جہاد فی سبیل اللہ اور راہ خدا میں جنگ کا منہ بولتا ثبوت ہیں، خواہ وہ جنگ میں زخمی و معلول ہونے والے افراد ہوں یا شہداء کے گھر والے ہوں یا پھر وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز ہوئے یا الحمدللہ غازی بن کر میدان جنگ سے لوٹے؛ دشمن کی راہ کی اصلی رکاوٹ یہ لوگ ہیں۔

دشمن سے ہر صورت میں مقابلہ

ہمارا دشمن اِس رکاوٹ سے ہرگز غافل نہیں ہے اُس کی مسلسل کوشش ہے کہ اِس رکاوٹ کو اپنی راہ سے ہٹا دے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی بہترین حکمت عملی اور زیرکی سے دشمن کا مقابلہ کریں۔ مسلسل حرکت اور جدوجہد ہر صورت میں لازمی ہے، خودسازی اور تعمیر ذات کے میدان میں بھی کہ یہ تمام امور پر مقدم ہے، بالکل میرے اور آپ کے سرور و آقا حسین کی مانند اور سیاسی میدان میں بھی مسلسل حرکت کا جاری رہنا بہت ضروری ہے کہ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور سیاسی میدان میں ہماری مسلسل جدّوجہد اور ثابت قدمی سے عبارت ہے۔ دنیائے استکبار کے مقابلے میں جہاں لازم ہو وہاں اپنے سیاسی موقف کو بیان کرنا اور اُس کی وضاحت کرنا چاہیے۔ اِسی طرح یہ مسلسل حرکت اور جدوجہد ثقافتی میدان میں بھی ضروری ہے یعنی انسان سازی، خودسازی، فکری تعمیر اور صحیح و سالم فکر و ثقافت کی ترویج؛ اُن تمام افراد کا وظیفہ ہے کہ جو امام

---

[1] سورۂ توبہ: ۱۱۱

حسین علیہ السلام کو اپنے لئے اسوہ عمل قرار دیتے ہیں۔ بہت خوشی کی بات ہے کہ ہماری قوم امام حسین علیہ السلام کی بہت دلدادہ اور عاشق ہے اور امام حسین علیہ السلام ہمارے نزدیک ایک عظیم المرتبت شخصیت کے مالک ہیں حتی غیر مسلم افراد کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے۔

ظلم و جور کے پورے جہان سے امام حسین علیہ السلام کا مقابلہ

اب ہم واقعہ کربلا کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ واقعہ کربلا ایک جہت سے بہت اہم واقعہ ہے اور خود یہ مسئلہ اُن افراد کے لئے درس ہے کہ جو امام حسین علیہ السلام کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں۔

میرے دوستو! توجہ کیجئے کہ واقعہ کربلا آدھے دن یا اِس سے تھوڑی سی زیادہ مدت پر محیط ہے اور اُس میں بہتر (۷۲) کے قریب افراد شہید ہوئے ہیں۔ دنیا میں اور بھی سینکڑوں شہداء ہیں لیکن واقعہ کربلا نے اپنی مختصر مدت اور شہداء کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ اتنی عظمت حاصل کی ہے اور حق بھی یہی ہے؛ بلکہ یہ واقعہ اِس سے بھی زیادہ عظیم ہے کیونکہ اِس واقعہ نے وجود بشر کی گہرائیوں میں نفوذ کیا ہے اور یہ سب صرف اور صرف اِس واقعہ کی روح کی وجہ سے ہے۔ یہ واقعہ اپنی کمیّت و جسامت کے لحاظ سے بہت زیادہ پُر حجم نہیں ہے، دنیا میں بہت سے چھوٹے بچے قتل کیے گئے ہیں جبکہ کربلا میں صرف ایک شش ماہ کا بچہ قتل کیا گیا ہے، دشمنوں نے بہت سی جگہ قتل عام کا بازار گرم کیا ہے اور سینکڑوں بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے (جبکہ کربلا میں صرف ایک ہی بچہ قتل ہوا ہے اور یہ دوسرے بچوں کے قتل کی تعداد کے مقابلے میں ایک فیصد یا اس سے بھی کم ہے)؛ واقعہ کربلا اپنی کمیت کے لحاظ سے قابل توجہ نہیں بلکہ روح اور معنی کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔

روح کربلا

واقعہ کربلا کی روح وحقیقت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام اِس واقعہ میں ایک لشکر یا انسانوں کی ایک گروہ کے مدمقابل نہیں تھے، ہرچند کہ وہ تعداد میں امام حسین علیہ السلام کے چندسو برابر تھے، بلکہ آپ انحراف وظلمات کی ایک دنیا کے مدمقابل کھڑے تھے اور اِس واقعہ کی یہی بات قابل اہمیت ہے۔ سالارشہیدان اُس وقت کج روی، ظلمت وظلم کی ایک پوری دنیا کے مقابلے میں کھڑے تھے اور یہ پوری دنیا تمام مادی اسباب وسائل کی مالک تھی یعنی مال ودولت، طاقت، شعر، کتاب، جھوٹے راوی اور درباری ملا، سب ہی اُس کے ساتھ تھے اور جہان ظلم و جور اور انحراف کی یہی چیزیں دوسروں کی وحشت کا سبب بنی ہوئی تھیں۔ ایک معمولی انسان یا اُس سے ذرا بڑھ کر ایک اور انسان کا بدن اُس دنیائے ظلمت وظلم کی ظاہری حشمت، شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کو دیکھ کر لرز اٹھتا تھا لیکن یہ سرورشہیداں تھے کہ آپ کے قدم وقلب اُس جہان شر کے مقابلے میں ہرگز نہیں لرزے، آپ میں کسی بھی قسم کا ضعف وکمزوری نہیں آئی اور نہ ہی آپ نے (اپنی راہ کے حق اور مدمقابل گروہ کے باطل ہونے میں) کسی قسم کا شک وتردید کیا، (جب آپ نے انحرافات اور ظلم وزیادتی کا مشاہدہ کیا تو) آپ فوراً میدان میں اتر آئے۔ اس واقعہ کی عظمت کا پہلو یہی ہے کہ اس میں خالصتاً خدا ہی کے لئے قیام کیا گیا تھا۔

"حُسَین علیہ السلام مِنّی وَاَنَا مِنَ الحُسَینِ" کا معنی

کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا کام بعثت میں آپ کے جدمطہر حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاموں سے قابل تشبیہ وقابل موازنہ ہے، یہ ہے حقیقت۔ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنِ تنہا پوری ایک دنیا سے مقابلہ کیا تھا امام حسین علیہ السلام بھی واقعہ کربلا میں جہانِ باطل کے مدمقابل

تھے؛ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہرگز نہیں گھبرائے، راہ حق میں ثابت قدم رہے اور منزل کی جانب پیشقدمی کرتے رہے، اسی طرح سید الشہدا علیہ السلام بھی نہیں گھبرائے، ثابت قدم رہے اور آپ علیہ السلام نے دشمن کے مقابل آکر آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ تحریک نبویؐ اور تحریک حسینی کا محور و مرکز ایک ہی ہے اور دونوں ایک ہی جہت کی طرف گامزن تھے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں "حُسَین علیہ السلام مِنّی وَاَنَا مِنَ الحُسَینِ" کا معنی سمجھ میں آتا ہے۔ یہ ہے امام حسین علیہ السلام کے کام کی عظمت۔

قیام امام حسین علیہ السلام کی عظمت!

امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورا اپنے اصحاب و انصار سے فرمایا تھا:

" آپ سب چلے جائیں اور یہاں کوئی نہ رہے، میں اپنی بیعت تم سب پر سے اٹھالیتا ہوں اور میرے اہل بیت علیہم السلام کو بھی اپنی ساتھ لے جاؤ، کیونکہ یہ میرے خون کے پیاسے ہیں"۔

امام حسین علیہ السلام کے یہ جملے کوئی مزاح نہیں تھے؛ فرض کیجئے کہ اگر اُن کے اصحاب قبول بھی کر لیتے اور امام حسین علیہ السلام یکتا وتنہا یا دس افراد کے ساتھ میدان میں رہ جاتے تو آپ کے خیال میں کیا سید الشہدا علیہ السلام کے کام کی عظمت کم ہو جاتی ؟ ہرگز نہیں! وہ اُس وقت بھی اسی عظمت و اہمیت کے حامل ہوتے۔ اگر اِن بہتر (۷۲) افراد کی جگہ بہتر ہزار افراد امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیتے تو کیا اِن کے کام اور اُس تحریک کی عظمت کم ہو جاتی ؟

امام حسین علیہ السلام کی عظمت وشجاعت

امام حسین علیہ السلام کے کام کی عظمت یہ تھی کہ آپ نے ظالم وجابر، خلافت رسولؐ کے مدعی اور انحراف کے پورے ایک جہان کے دباؤ کو قبول نہیں کیا۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں معمولی نوعیت

کے انسان اپنے مدمقابل طاقت کے ظاہری روپ اور ظلم کو دیکھ کر شک وتردید کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا عرض کیا ہے کہ عبداللہ ابن عباس جو ایک بزرگ شخصیت ہیں اور اسی طرح خاندان قریش کے افراد اِس تمام صورتحال پر ناراض تھے۔ عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمان ابن ابی بکر، بڑے بڑے اصحاب کے فرزند اور خود بعض اصحاب کی بھی یہی حالت تھی۔ مدینے میں صحابہ کرام کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی اور سب باغیرت تھے، ایسا نہیں ہے کہ آپ یہ خیال کریں کہ اُن میں غیرت نہیں تھی؛ یہ وہی اصحاب ہیں کہ جنہوں نے واقعہ کربلا کے بعد مدینہ میں رونما ہونے والے واقعہ حرّہ میں مسلم ابن عقبہ کے قتل عام کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور جنگ کی۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ لوگ ڈر وخوف کا شکار ہوگئے، ہرگز نہیں بلکہ وہ بہترین شمشیر زن وشجاع تھے۔

لیکن میدان جنگ میں قدم رکھنے کے لئے شجاعت بذاتِ خود ایک موضوع ہے جبکہ ایک پورے جہان سے مقابلے کے لئے شجاعت کا حامل ہونا ایک الگ مسئلہ ہے۔ امام حسین علیہ السلام اِس دوسری شجاعت کے مالک تھے؛ یہی وجہ ہے کہ ہم نے بارہا تاکید کی ہے کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک دراصل امام حسین علیہ السلام کی تحریک کی مانند تھی اور اُن کی تحریک دراصل ہمارے زمانے میں امام حسین علیہ السلام کی تحریک کی ایک جھلک تھی اگر بعض لوگ یہ کہیں کہ امام حسین علیہ السلام تو صحرائے کربلا میں تشنہ شہید ہوئے جبکہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے عزت وسربلندی کے ساتھ حکومت کی، زندگی بسر کی اور جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی بے مثال تشییع جنازہ ہوئی! لیکن ہماری مراد یہ پہلو نہیں ہے؛ اِس واقعہ کربلا کی عظمت کا پہلو یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام ایک ایسی طاقت وقدرت کے مدمقابل سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے کہ جو تمام مادی اسباب ووسائل کی مالک تھی۔ پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے دشمن کے پاس مال ودولت تھی، وہ قدرت وطاقت کا مالک تھا، اسلحہ سے لیس سپاہی اس کی فوج میں شامل تھے اور ثقافتی ومعاشرتی میدانوں کو فتح کرنے والے مبلغ ومروج اور مخلص افراد کا لشکر بھی اُس کے ساتھ تھا۔ کربلا قیامت تک پوری دنیا پر محیط

ہے، کربلا صرف میدان کربلا کے چند سو میٹر رقبے پر پھیلی ہوئی جگہ کا نام نہیں ہے۔ آج کی دنیائے استکبار و ظلم اسلامی جمہوریہ کے سامنے کھڑی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کا ہدف، اسلامی نظام اور اسلامی معاشرے کی تعمیر نو

آج میں نے نیت کی ہے روز عاشورا کے حوالے سے امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے بارے میں گفتگو کروں؛ امام حسین علیہ السلام کی تحریک بہت ہی عجیب و غریب تحریک ہے۔ ہم سب کی زندگی سید الشہدا علیہ السلام کی یاد و ذکر سے لبریز و معطر ہے اور ہم اِس پر خدا کے شاکر ہیں۔ اِس عظیم شخصیت کی تحریک کے متعلق بہت زیادہ باتیں کی گئی ہیں لیکن اِس کے باوجود انسان اِس بارے میں جتنا بھی غور و فکر کرتا ہے تو فکر و بحث اور تحقیق و مطالعہ کا میدان اتنا ہی وسعت پیدا کرتا جاتا ہے۔ اِس بے مثل و نظیر اور عظیم واقعہ کے متعلق بہت زیادہ گفتگو کی گئی ہے کہ جس کے بارے میں غور و فکر کرنا اور اُسے ایک دوسرے کے لئے بیان کرنا چاہیے۔

چند ماہ کی تحریک اور سو سے زیادہ درس

اِس واقعہ پر توجہ کیجئے: حضرت سید الشہدا علیہ السلام اُس دن سے لے کے جب آپ نے مدینے سے اپنا سفر شروع کیا اور مکے کی جانب قدم بڑھائے، کربلا میں جام شہادت نوش کرنے تک اِن چند ماہ (۲۸ رجب تا ۱۰ محرم) میں شاید انسان سو سے زیادہ درس عبرت کو شمار کر سکتا ہے؛ میں ہزاروں درس عبرت کہنا نہیں چاہتا اِس لئے کہ ہزاروں درس عبرت حاصل کیے جا سکتے ہیں کیونکہ ممکن ہے امام حسین علیہ السلام کا ہر ہر اشارہ ایک درس ہو۔

یہ جو ہم نے بیان کیا ہے کہ سو سے زیادہ درس تو اِس کا مطلب ہے کہ ہم امام عالی مقام علیہ السلام کے اِن تمام کاموں کا نہایت سنجیدگی اور توجہ سے مطالعہ کریں۔ اِسی طرح تحریک کربلا

سے سوعنوان وسو باب اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ جن میں سے ہرایک باب، ایک قوم، ایک پوری تاریخ، ایک ملک، ذاتی تربیت، معاشرتی اصلاح اور قرب خدا کے لئے اپنی جگہ ایک مکمل درس کی حیثیت رکھتا ہے۔

اِن سب کی وجہ یہ ہے کہ حسین ابن علی علیہما السلام کی شخصیت؛ ہماری جانیں اُن کے نام و ذکر پر فدا ہوں، دنیا کے تمام مقدس اور پاکیزہ افراد کے درمیان خورشید کی مانند روشن و درخشاں ہے، آپ ؛انبیاء، اولیاء، ائمہ، شہداء اور صالحین کو دیکھئے اگر یہ ماہ و ستارے ہیں تو یہ بزرگوار شخصیت خورشید کی مانند روشن و تابناک ہے؛ لیکن یہ سو درسِ عبرت ایک طرف اور امام حسین علیہ السلام کا اصلی اور اہم ترین درس ایک طرف۔

اصلی درس: سید الشہدا علیہ السلام نے قیام کیوں کیا؟

میں آج کوشش کروں گا کہ اِس واقعہ کے اصلی درس کو آپ کے سامنے بیان کروں۔ اس واقعہ کے دوسرے پہلو یک طرفہ حیثیت رکھتے ہیں جبکہ اِس اصلی درس کو مرکزیت حاصل ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے قیام کیوں فرمایا تھا؟

امام حسین علیہ السلام ؛ آپ علیہ السلام کی شخصیت مدینہ اور مکہ میں قابل احترام ہے اور یمن میں بھی آپ علیہ السلام کے شیعہ اور محبین موجود ہیں لہٰذا کسی بھی شہر تشریف لے جایئے ؛ یزید سے سروکار رکھنے کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح یزید بھی آپ کو تنگ نہیں کرے گا! آپ علیہ السلام کے چاہنے والے شیعوں کی اتنی بڑی تعداد موجود ہے، جایئے اُن کے درمیان عزت واحترام سے زندگی بسر کیجئے اور دل کھول کر اسلام کی تبلیغ کیجئے! آپ علیہ السلام نے یزید کے خلاف قیام کیوں کیا؟ اِس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟

یہ ہے اِس تحریک کربلا کا اصلی اور بنیادی سوال اور یہی اِس واقعہ کا اصلی درس ہے۔ ہم

یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ کسی اور نے اِن مطالب کو بیان نہیں کیا ہے؛ کیوں نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اِس سلسلے میں بہت محنت سے کام کیا گیا ہے اور اس بارے میں نظریات کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن ہم جو مطالب آپ کی خدمت میں عرض کررہے ہیں یہ ہماری نظر میں اِس واقعہ کا ایک بالکل نیا پہلو ہے جو تازگی کا حامل اور اچھوتا پہلو ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے قیام اور مقصد شہادت سے متعلق مختلف نظریات

الف: کیا امام حسین علیہ السلام کا قیام تشکیل حکومت کے لئے تھا؟

بہت سے افراد یہ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام، یزید کی فاسد حکومت کو ختم کر کے خود ایک حکومت تشکیل دینے کے خواہش مند تھے؛ یہ ہے اِن افراد کی نگاہوں میں سید الشہدا علیہ السلام کے قیام کا مقصد۔ یہ بات تقریباً آدھی درست ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ غلط ہے۔ اگر اس نظریے کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے تشکیل حکومت کے لئے اس طرح قیام کیا کہ اگر وہ دیکھتے کہ انسان اپنے نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا تو وہ یہ کہتے کہ ہم حکومت تو نہیں بنا سکے لہٰذا اِس تحریک کو یہیں ختم کر کے واپس لوٹ جاتے ہیں! یہ بات غلط ہے۔

جی ہاں! جو بھی حکومت بنانے کی غرض سے قدم اٹھاتا اور اُس کے لئے تحریک چلاتا ہے تو وہاں تک کوشش کرتا ہے کہ جہاں تک یہ کام ممکن اور ہونے والا ہے لیکن جیسے ہی اُسے اُس کام کے نہ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے یا وہ عقلی طور پر مقصد تک جانے والی راہوں کو مسدود پاتا ہے تو اُس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوٹ آئے۔ اگر تشکیل حکومت ہی انسان کا مقصد ہے تو وہاں تک کوشش کرنا صحیح ہے کہ جہاں تک پیش رفت کرنا ممکن ہو اور جہاں اقدام کرنے کا امکان ختم

ہو جائے تو اُسے لوٹ جانا چاہیے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اپنے قیام سے سید الشہداعلیہ السلام کا مقصد امیر المومنین علیہ السلام کی مانند ایک حکومت حق کی تشکیل تھی یہ بات درست نہیں ہے، اِس لئے کہ امام حسین علیہ السلام کی پوری تحریک اس نظریے کی تائید نہیں کرتی۔

اِس کے مقابل کچھ افراد کا نظریہ ہے کہ نہیں جناب، حکومت بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ حضرت جانتے تھے کہ وہ حکومت نہیں بنا سکتے ہیں، وہ تو کربلا اس لئے آئے تھے کہ قتل ہوں اور درجہ شہادت پر فائز ہوں! ایک زمانے میں بہت زیادہ افراد اِس نظریے کے حامی اور طرفدار تھے اور بہت سے شعراء اِس نظریے کو اپنی خوبصورت شاعری کے قالب میں ڈھال کر عوام کے لئے بیان کرتے تھے۔ بعد میں مَیں نے دیکھا کہ بعض بڑے علماء نے بھی اِسی بات کو بیان کیا؛ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام نے صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ وہ شہید ہو جائیں لیکن درحقیقت یہ کوئی نئی بات اور نیا نظریہ نہیں ہے۔ لہٰذا اِن افراد کے نظریے کے مطابق سالار شہیداں نے یہ کہا کہ "ہمارے زندہ رہنے سے تو کوئی کام نہیں ہو سکتا پس ہم اپنی شہادت سے کوئی کام انجام دیتے ہیں"!

ب: کیا امام حسین علیہ السلام نے شہادت کے لئے قیام فرمایا تھا؟

قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات میں ان باتوں کی کوئی سند و اعتبار نہیں ہے کہ "جاؤ اور بغیر کسی وجہ کے شہید ہو جاؤ"؛ اسلامی تعلیمات میں ایسی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی!

ہم شریعت مقدس اور قرآن و روایات میں جس شہادت کا ذکر پاتے ہیں اُس کا معنی یہ ہے کہ انسان ایک واجب یا راجح (عقلی) مقدس ہدف کے حصول کی راہ میں جد و جہد کرے اور اُس راہ میں قتل کیا جائے؛ یہ ہے صحیح اسلامی شہادت۔ لیکن اگر انسان صرف اس لئے قدم اٹھائے کہ میں جاؤں اور بغیر کسی وجہ کے قتل ہو جاؤں یا شاعرانہ اور ادیبانہ تعبیر کے مطابق میرے خون کا

سیلاب ظالم کو بہا کر لے جائے اور وہ نیست و نابود ہو جائے! یہ تمام چیزیں، واقعہ کربلا کے عظیم واقعہ سے کسی بھی طرح میل نہیں کھاتیں۔ صحیح ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے یہ کام انجام دیا لیکن سید الشہدا علیہ السلام کا مقصد یہ نہیں تھا۔

المختصر یہ کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سید الشہدا علیہ السلام نے تشکیل حکومت کے لئے قیام کیا تھا اور اُن کا مقصد حکومت بنانا تھا اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سید الشہدا علیہ السلام نے شہید ہونے کے لئے قیام کیا تھا بلکہ آپ کا ہدف کوئی اور چیز تھی کہ جسے آپ کی خدمت میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

حکومت وشہادت دو نتیجے تھے نہ کہ ہدف!

میں تحقیق و مطالعہ سے اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ لوگ جو اس بات کے معتقد ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا ہدف حکومت یا شہادت تھا، اُنہوں نے ہدف اور نتیجے کو آپس میں ملا دیا ہے، اِن میں سے کوئی ایک بھی سید الشہدا علیہ السلام کا ہدف نہیں تھا بلکہ ایک دوسری ہی چیز سید الشہدا علیہ السلام کا ہدف تھی۔

پس فرق یہ ہے کہ اُس ہدف کے حصول کے لئے ایک ایسی تحریک وجدوجہد کی ضرورت تھی کہ جس کا اِن دو میں سے ایک نتیجہ نکلنا تھا، یا حکومت ملتی یا شہادت۔

البتہ یہ بات ضروری ہے کہ سید الشہدا علیہ السلام دونوں نتیجوں کے لئے پہلے سے آمادہ اور تیار تھے؛ اُنہوں نے حکومت کی تشکیل اور شہادت کے لئے مقدمات کو تیار کرلیا تھا اور دونوں کے لئے پہلے سے خود کو آمادہ کیا ہوا تھا؛ دونوں میں سے جو بھی نتیجہ سامنے آتا وہ اُن کی منصوبہ بندی کے مطابق صحیح ہوتا لیکن حکومت وشہادت میں سے کوئی ایک بھی اُن کا ہدف نہیں تھا بلکہ ایک تیسری ہی چیز اُن کا ہدف تھی۔

ہدف، ایسے عظیم واجب جن پر ابھی تک عمل نہیں کیا گیا تھا!

سید الشہداعلیہ السلام کا ہدف کیا تھا؟ پہلے اس ہدف کو مختصراً ایک جملے میں ذکر کروں گا اور اِس کے بعد اِس کی مختصر سی وضاحت کروں گا۔

اگر ہم امام حسین علیہ السلام کے ہدف کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اِس طرح کہنا چاہیے کہ اُن کا ہدف واجبات دین میں سے ایک عظیم ترین واجب کو انجام دینے سے عبارت تھا کہ جس کو سید الشہداعلیہ السلام سے قبل کسی ایک نے، حتی خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے بھی انجام نہیں دیا تھا۔

وہ ایسا واجب تھا کہ جو اسلام کے عملی اور فکری نظام میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے؛ یہ واجب بہت زیادہ قابل اہمیت اور بنیادی حیثیت کا حامل تھا لیکن اِس کے باوجود اُس پر عمل نہیں ہوا تھا۔ میں آگے چل کر یہ عرض کروں گا کہ اِس واجب پر ابھی تک عمل کیوں نہیں ہوا تھا، امام حسین علیہ السلام کو اِس واجب پر عمل کرنا چاہیے تھا تاکہ تاریخ میں سب کے لئے ایک درس رہ جائے۔ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکومت تشکیل دی تو آپ کا حکومت کو تشکیل دینا پوری تاریخ اسلام میں سب کے لئے درس بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقط احکام جاری نہیں کیے تھے بلکہ پوری ایک حکومت بنائی تھی یا حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ انجام دیا تو یہ تا ابد تاریخ بشریت اور تاریخ اسلام کے لئے ایک درس بن گیا۔ اِسی طرح اِس واجب کو بھی امام حسین علیہ السلام کے وسیلے سے انجام پانا چاہیے تھا تاکہ پوری تاریخ کے مسلمانوں کے لئے ایک عملی درس بن سکے۔

امام حسینؑ کے زمانے میں اِس واجب کی انجام دہی

اب سوال یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام ہی کیوں اِس واجب پر عمل کریں؟ چونکہ اِس واجب کو انجام دینے کی راہ امام حسین علیہ السلام کے دور میں ہی ہموار ہوئی۔ اگر یہ حالات امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں پیش نہیں آتے مثلاً امام علی نقی علیہ السلام کے زمانے میں یہ حالات پیش آتے تو امام علی نقی علیہ السلام اِس کام کو انجام دیتے اور تاریخ اسلام میں عظیم ترین حادثے اور ذبح عظیم کا محور قرار پاتے؛ اگر یہ حالات امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام یا امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں پیش آتے تو یہ دونوں ہستیاں اِسی طرح عمل کرتیں، چونکہ امام حسین علیہ السلام سے قبل کسی اور معصوم کے زمانے میں یہ حالات پیش نہیں آئے تھے لہٰذا کسی معصوم نے اُس پر عمل نہیں کیا تھا اور اسی طرح امام حسین علیہ السلام کے بعد بھی زمانہ غیبت تک تمام آئمہ طاہرین کے دور میں بھی یہ حالات پیش نہیں آئے۔

پس سید الشہد اعلیہ السلام کا ہدف اِس عظیم ترین واجب کو انجام دینے سے عبارت ہے، اب میں اِس کی وضاحت کرتا ہوں کہ یہ واجب کیا ہے؟ اُس وقت اِس واجب کی ادائیگی خود بخود اِن دو نتیجوں میں سے کسی ایک تک پہنچتی؛ یا اُس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ امام حسین علیہ السلام کو قدرت وحکومت حاصل ہوجاتی، سبحان اللہ؛ بہت خوب، اور امام حسین علیہ السلام اس کے لئے پہلے سے تیار تھے۔ اگر حکومت کی زمام سید الشہد اعلیہ السلام کے ہاتھ میں آجاتی تو آپ پوری طاقت وقدرت کے ساتھ اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اپنے معاشرے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے کی مانند چلاتے؛ ایک وقت اس واجب پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ شہادت کی شکل میں نکلتا تو بھی امام حسین علیہ السلام شہادت اور اس کے بعد کے حالات وواقعات کے لئے پہلے سے تیار تھے۔

خداوند عالم نے امام حسین علیہ السلام سمیت دیگر آئمہ معصومین کو اِس طرح خلق فرمایا تھا کہ اِس امر عظیم کے لئے پیش آنے والی اُس خاص قسم کی شہادت کے بار سنگین کو اٹھا سکیں اور اِن

ہستیوں نے اِن تمام مصائب و مشکلات کو برداشت بھی کیا۔ البتہ کربلا میں مصائب کا پہلو اِس واقعہ کا ایک دوسرا عظیم رخ ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلامی احکامات کا مجموعہ لے کر آئے

اب میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کو تھوڑی وضاحت کے ساتھ بیان کروں۔

میرے محترم بہن بھائیو! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کوئی رسول جب بھی خدا کی طرف سے آتا ہے تو اسلامی احکامات کا ایک مجموعہ لے کر آتا ہے۔ اِن میں سے بعض احکامات انفرادی ہوتے ہیں تا کہ انسان اپنی اصلاح کرے اور بعض اجتماعی ہوتے ہیں تا کہ دنیائے بشر کو آباد کرے، انسانوں کی صحیح سمت میں راہنمائی کرے اور انسانی معاشرے کو ایک صحیح نظام کے ذریعے قائم رکھے۔ یہ انفرادی و اجتماعی احکامات ایک مجموعے کی شکل میں ہوتے ہیں کہ جنہیں "اسلامی نظام" کہا جاتا ہے۔

قرآن؛ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مقدس پر نازل ہوا اور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز، روزہ، زکات، انفاق، حج، گھریلو زندگی کے احکامات، انفرادی رابطے و تعلقات، جہاد فی سبیل اللہ، تشکیل حکومت، اسلامی معیشت، حاکم اور عوام کا رابطہ اور حکومت کی نسبت عوام کے وظائف کے احکامات لے کر آئے اِن تمام احکامات کو ایک مجموعے کی شکل میں بشریت کے سامنے پیش کیا اور سب کے سامنے بیان فرمایا۔

"مَا مِن شَيئٍ يُقَرِّبُكُم مِنَ الجَنَّةِ وَ يُبَاعِدُكُم مِنَ النَّارِ اِلَّا وَقَد نَهَيتُكُم عَنهُ وَ اَمَرتُكُم بِهِ" [1]

"کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جنت سے قریب کرے اور جہنم سے دور کرے مگر یہ کہ

[1] بحار الانوار، جلد ۲ ص ۱۷۰

میں نے تمہیں اُس کا حکم نہ دیا ہو اور اُس سے منع نہ کیا ہو‘‘۔ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن تمام چیزوں کو بیان کیا کہ جو انسان اور ایک انسانی معاشرے کو سعادت و خوش بختی تک پہنچا سکتی ہیں؛ نہ صرف یہ کہ بیان کیا بلکہ اُن پر عمل بھی کیا اور اُنہیں نافذ بھی کیا۔

اب جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ تشکیل پا گیا، اسلامی اقتصادیات کو متعارف و نافذ کر دیا گیا، اسلامی جہاد نے اپنی جڑیں مضبوط کر کے اسلامی حکومت کو دوام بخشا اور زکات نے معاشرے پر سایہ کر لیا اور یوں روئے زمین پر ایک حقیقی اسلامی ملک اور اسلامی نظام حکومت نے جنم لیا۔ اب اِس اسلامی نظام کا مدیر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلائے ہوئے کارواں کا رہبر و ہادی وہ ہوگا جو اُن کی جگہ پر بیٹھے گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ بہت واضح اور روشن ہے لہٰذا اِس معاشرے اور اِس سے تعلق رکھنے والے ہر ہر فرد کو چاہیے کہ اِسی راستے پر قدم اٹھائے، اِسی راستے پر آگے بڑھے اور اِسی راستے سے اپنے ہدف و مقصد تک پہنچے۔ اگر اسلامی معاشرے کی حرکت اِسی راستے اور اسی سمت میں ہو تو اُس وقت اُس معاشرے سے تعلق رکھنے والے تمام انسان اپنے کمال تک پہنچ جائیں گے؛ وہ نیک اور فرشتہ صفت انسان بن جائیں گے، معاشرے سے ظلم وستم کا خاتمہ ہو جائے گا، معاشرے کو برائیوں، فساد، اختلافات، فقر و افلاس اور جہالت کے منحوس وجود سے نجات مل جائیگی، انسان اپنی کامل خوش بختی کو پالے گا اور خدا کا مقرب بندہ بن جائیگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اسلام ایک ضابطہ حیات کی حیثیت سے لایا گیا اور اس زمانے کے معاشرے میں نافذ ہوا لیکن کہاں؟ ایک شہر میں کہ جسے مدینہ کہا جاتا ہے، اُس کے بعد مکہ اور دیگر چند شہروں میں اِس اسلامی نظام نے وسعت پائی۔

انحراف کی اقسام

یہاں ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ یہ کارواں جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے معین شدہ راستے پر گامزن کیا تھا، اگر کسی حادثے کا شکار ہوجائے اور کوئی اُس کارواں کو اُس کے معین شدہ راستے سے ہٹا دے تو یہاں وظیفہ کیا ہے؟ اگر اسلامی معاشرہ انحراف کا شکار ہوجائے اور یہ بگاڑ اور انحراف اِس حد تک آگے بڑھ جائے کہ پورے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو یہاں مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے؟

انحراف کی دو قسمیں ہیں؛ ایک انحراف وہ ہے کہ جس میں لوگ خراب ہوجاتے ہیں، اکثر اوقات ایسا ہی ہوتا ہے لیکن لوگوں کے منحرف ہونے اور بگڑنے سے اسلامی احکامات ختم نہیں ہوتے۔ دوسری قسم کا انحراف یہ ہے کہ جب لوگ خرابی کا شکار ہوتے ہیں تو حکومتیں بھی خراب ہوجاتی ہیں اور علماء اور خطباء و مقررین بھی انحراف کا شکار ہوجاتے ہیں! ایسے منحرف شدہ افراد سے صحیح دین کی توقع نہیں رکھی جاسکتی کیونکہ انحراف کا شکار افراد قرآن اور دینی حقائق میں تحریف کرتے ہیں، اچھے کو برا، برے کو اچھا، منکر کو معروف اور معروف کو منکر بنا کر پیش کرتے ہیں! اسلام کے بتائے ہوئے راستے کو ۱۸۰ ڈگری تبدیل کر دیتے ہیں! اگر اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام اِس مشکل سے دوچار ہوجائے تو یہاں ذمہ داری کیا ہے؟

شرعی ذمہ داری اور اُس کا حکم موجود تھا مگر عمل کے لئے حالات پیش نہیں آئے تھے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں ذمہ داری اور وظیفے کو بیان کر دیا ہے اور قرآن

نے بھی یہ فرمایا ہے:

"مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَ" [1]

"تم میں سے جو بھی اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو اللہ ایسی قوم لیکر آئے گا کہ اُس سے محبت کرے گا اور وہ قوم بھی اللہ سے محبت کرے گی"۔

اِس بارے میں آیات و روایات بہت زیادہ ہیں لیکن میں اِسے امام حسین علیہ السلام کے قول کی روشنی میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس قول کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کہ یہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے تو کیا خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اِس حکم الٰہی پر عمل کیا تھا؟ نہیں کیا تھا؛ کیونکہ یہ حکم الٰہی اُس وقت قابل عمل ہے کہ جب معاشرہ منحرف ہو چکا ہو، اگر معاشرہ انحراف کا شکار ہو جائے تو اُس کا علاج کرنا چاہیے اور اُس بارے میں خداوند عالم نے ایک خاص حکم جاری کیا ہے۔ ایسے معاشروں کے لئے کہ جہاں معاشرتی انحراف و بگاڑ اِس حد تک آگے بڑھ جائے کہ یہ اصل اسلام اور اُس کی تعلیمات سے انحراف کا سبب بنے تو اِس مقام پر خداوند عالم نے ایک حکم نازل کیا ہے؛ خداوند عالم نے انسان کو کسی بھی مسئلے میں بغیر حکم کے نہیں چھوڑا ہے۔

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اِس حکم خدا کو بیان فرمایا ہے یعنی قرآن و حدیث نے اِس حکم کو بیان کیا ہے لیکن پیغمبرؐ خود اِس حکم پر عمل درآمد نہیں کر سکے! آخر کیا وجوہات تھیں کہ پیغمبرؐ نے خود جس حکم کو بیان فرمایا خود اُس پر عمل نہیں کر سکے؟ وجہ یہ ہے کہ اِس حکم الٰہی پر اُس وقت عمل کیا جاتا ہے کہ جب معاشرہ منحرف ہو جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد رسالت اور امیر المومنین علیہ السلام کے عہد ولایت و امامت میں مسلمان معاشرہ اتنا نہیں بگڑا تھا کہ اِس حکم پر عمل کرنے کی نوبت آئے۔ اِسی طرح امام حسن علیہ السلام کے دور میں بھی کہ جب ظاہری حکومت، معاویہ کے

---

[1] سورہ مائدہ: ۵۴

ہاتھ میں تھی اور اِس اجتماعی انحراف کی بہت سے نشانیاں ظہور پذیر ہوگئی تھیں لیکن اِس کے باوجود اِس مرحلے تک نہیں پہنچی تھیں کہ جہاں پورے اسلام کی نابودی کا خطرہ پیش آتا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک خاص زمانے میں ایسی کوئی صورتحال پیش آئی ہو لیکن اُس وقت اِس حکم الٰہی پر عمل کرنے کی فرصت نہ ملی ہو یا موقع مناسب نہ ہو۔ یہ حکم الٰہی جو اسلامی احکامات کا ایک جزئی ہے اور اِس کی اہمیت خود حکومت سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے؛ اِس لئے کہ حکومت کا مطلب ہے معاشرے کی مدیریت۔ اگر معاشرہ بتدریج اپنی راہ سے خارج ہوکر خرابی کا شکار ہوجائے اور حکم خدا تبدیل ہوجائے اور ہمارے پاس اِس خراب حالت کو بدلنے کے لئے کوئی حکم اور منصوبہ بندی موجود نہ ہو تو ایسی حکومت کا کیا فائدہ؟!

منحرف معاشرے کو اُس کی اصلی راہ پر پلٹانے کے حکم کی اہمیت

پس معلوم ہوا کہ منحرف معاشرے کو اُس کی اصلی راہ پر پلٹانے کے حکم کی اہمیت خود حکومت کے حکم اور اُس کی اہمیت سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔ شاید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اِس حکم کی اہمیت خود کفار سے جہاد کرنے سے بھی زیادہ ہے؛ یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ اِس حکم کی اہمیت ایک اسلامی معاشرے میں ایک معمولی قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بھی زیادہ ہے؛ حتی ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شاید منحرف معاشرے کو اُس کے راستے پر پلٹانے کا حکم خداوند عالم کی طرف سے عظیم فرائض اور واجبات اور حج سے بھی زیادہ ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اِس حکم کی اہمیت کیوں زیادہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ حکم اسلام کو کہ جب وہ فنا کے قریب ہو یا ختم ہوگیا ہو، زندہ کرنے کا ضامن ہے۔

اب یہاں ایک سوال اور ابھرتا ہے کہ کون ہے جو اِس اہم ترین حکم پر عمل کرے؟ اس عظیم حکم پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی جانشین ہی عمل کرسکتا ہے اور وہ ایسے زمانے میں موجود ہو کہ

معاشرہ اِس انحراف کا شکار ہو گیا ہو؛ البتہ اِس کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ اِس حکم پر عمل درآمد کے لئے حالات مناسب ہوں؛ اِس لئے کہ خداوند عالم کسی ایسے عمل کو واجب نہیں کرتا کہ جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر حالات نامناسب ہوں اور یہ جانشین نبیؐ کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے تو اُس کے عمل اور جدوجہد کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا لہٰذا عمل درآمد کرنے کے لئے حالات کو مناسب و موزوں ہونا چاہیے۔

اِس بات کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ حالات کے مناسب ہونے کا معنی کچھ اور ہے؛ نہ یہ کہ ہم یہ کہیں کہ چونکہ اِس حکم کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں خطرات موجود ہیں لہٰذا حالات سازگار نہیں ہیں! حالات کے سازگار ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ حالات و شرائط کو مناسب ہونا چاہیے یعنی انسان یہ جانے کہ اگر اُس نے عمل کو انجام دیا تو اِس کا ایک نتیجہ ظاہر ہوگا، یعنی لوگوں تک پیغام پہنچ جائے گا، عوام اِس نتیجے سے حقیقت کو سمجھیں گے اور شک و تردید کے تمام سیاہ بادل اُن کے سامنے سے ہٹ کر حقیقت کا اُفق اُن کے لئے روشن و صاف ہو جائے گا۔

امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں انحراف

حضرت سید الشہداؑ علیہ السلام کے زمانے میں یہ انحراف وجود میں آچکا تھا اور اِس انحراف کو ختم کرنے کے حکم الٰہی پر عمل درآمد کے لئے حالات بھی مناسب تھے۔ پس اِن حالات میں امام حسین علیہ السلام کو قیام کرنا چاہیے تھا کیونکہ انحرافات اور بدعتوں نے اسلامی معاشرے کو مکمل طور سے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ مناسب حالات یہ ہیں کہ معاویہ کے بعد ایسا شخص حکومت کا مالک بن بیٹھا ہے (یا جسے پہلے سے تیار شدہ ایک جامع منصوبہ بندی کے تحت ولی عہد بنایا گیا تھا تاکہ اسلام کو نابود کرنے کے بنواُمیہ کے دیرینہ منصوبے پر عمل درآمد کیا جا سکے) جو اسلام کے ظاہری احکام و آداب کی ذرّہ برابر بھی رعایت نہیں کرتا ہے! وہ اایسا (خودساختہ) خلیفہ مسلمین ہے جو

شراب پیتا ہے اور اسلامی شریعت کی کھلم کھلا مخالفت اُس کا وطیرہ ہے، جنسی گناہوں، دیگر برائیوں اور قبیح ترین اعمال کا علی الاعلان ارتکاب اُس کا شیوہ ہے، قرآن کے خلاف باتیں کرنا اُس کی عادت ہے، وہ قرآن کی مخالفت اور دین کی تحقیر و اہانت کے لئے اشعار باطلہ سے اپنی محفل کو زینت دیتا ہے؛ خلاصہ یہ کہ وہ اسلام کا کھلا ہوا دشمن ہے!

چونکہ وہ نام کا خلیفہ مسلمین ہے لہٰذا وہ اسلام کے نام کو مکمل طور سے ختم نہیں کرنا چاہتا۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ نہ اسلام کا پیروکار ہے، نہ اُسے اسلام سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی اُس کا دل اسلام کے لئے دھڑکتا ہے بلکہ اپنے عمل میں اُس چشمے کی مانند ہے کہ جس سے مسلسل گندگی اور بدبودار پانی اُبل اُبل کر پوری وادی کو خراب و بدبودار کررہا ہے اور اپنے وجود کے گندے اور بدبودار اعمال سے پورے اسلامی معاشرے کی فضا کو متعفّن و آلودہ کررہا ہے! ایک برا اور فاسد حاکم ایسا ہی ہوتا ہے۔ چونکہ حاکم، معاشرے میں سب سے اونچے اور بلندترین منصب کا حامل ہوتا ہے بالکل ایک بلندترین چوٹی کی مانند، لہٰذا اُس سے جو بھی عمل صادر ہوگا اُس کے اثرات صرف اُسی چوٹی تک ہی محدود نہیں رہیں گے بلکہ اُس سے نیچے آکر اطراف کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے جبکہ عام عوام و افراد کا عمل اِس خاصیت کا حامل نہیں ہوتا ہے۔

عام افراد کا عمل صرف اُنہی کی چار دیواری اور ذات کے دائرے کے اندر رہتا ہے؛ لیکن جس کا مرتبہ و منصب جتنا بلند ہو اور وہ معاشرے میں جتنے بڑے درجے کا مالک ہو اُس کی برائیوں کا نقصان بھی اُسی نسبت سے زیادہ ہوتا ہے۔ عام آدمیوں کی برائیاں اور غلطیاں ممکن ہے کہ صرف اُنہی کے لئے یا اُن کے اطراف میں موجود چند افراد کے لئے نقصان دہ ہوں لیکن جو کسی بڑے عہدے اور درجے کا مالک ہے اگر برائیوں اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے لگے تو اُس کے اعمال کے برے اثرات اطراف میں پھیل کر پورے معاشرتی ماحول کو آلودہ کردیں گے۔ اِسی طرح اگر معاشرے میں کسی اعلیٰ منصب و مرتبے پر فائز ہونے والا شخص نیک ہوجائے تو اُس کے نیک اعمال کے اثرات اور خوشبو پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیکر ماحول و فضا کو معطر

کردے گی۔

معاویہ کے بعد ایک ایسا ہی شخص منبر رسولؐ پر بیٹھ کر خلیفہ مسلمین بن گیا ہے اور اپنے آپ کو جانشین پیغمبرؐ کہتا ہے! کیا اِس سے بڑھ کر بھی کوئی انحراف ہوگا؟! اب اِس حکم الٰہی پر عمل درآمد کرنے کے حالات وشرائط مہیا ہو گئے ہیں۔ حالات مناسب وسازگار ہیں، اِس کا مطلب کیا ہے؟ کیا اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس راہ میں کوئی خطرہ موجود نہیں ہے؟ کیوں نہیں، خطرہ موجود ہے۔ کیا یہ بات ممکن ہے کہ کسی اقتدار کا مالک اپنے مقابلے پر آنے والوں کے لئے خطرناک ثابت نہ ہو؟! یہ تو کھلی جنگ ہے؛ آپ چاہتے ہیں کہ اُس کا تخت وتاج اور اقتدار چھین لیں اور وہ بیٹھ کر صرف تماشا دیکھے! واضح سی بات ہے کہ وہ بھی پلٹ کر آپ پر حملہ کرے گا، پس خطرہ ہر حال میں موجود ہے۔

سب ائمہ علیہم السلام کا مقام امامت برابر ہے

یہ جو ہم کہتے ہیں کہ حالات مناسب ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا ماحول اور سیاسی و اجتماعی حالات ایسے ہیں کہ ممکن ہے کہ اِس زمانے میں اور پوری تاریخ میں انسانوں تک امام حسین علیہ السلام کا پیغام پہنچ جائے۔ اگر معاویہ کے دورِ حکومت میں امام حسین علیہ السلام قیام کرتے تو اُن کا پیغام دفن ہوجاتا۔ وجہ یہ ہے کہ معاویہ کے دورِ حکومت میں (اجتماعی وثقافتی) حالات اور سیاست ایسی تھی کہ لوگ حق بات کو نہیں سن سکتے تھے (یا اُن میں حق و باطل میں تشخیص کی صلاحیت نہیں تھی)! یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام معاویہ کی خلافت کے زمانے میں دس سال امام رہے لیکن آپ کچھ نہیں بولے اور کسی قیام و اقدام کے لئے کوئی کام انجام نہیں دیا چونکہ حالات مناسب نہیں تھے۔

امام حسین علیہ السلام سے قبل امام حسن علیہ السلام امام وقت تھے، اُنہوں نے بھی قیام نہیں کیا چونکہ اُن کے زمانے میں بھی اِس کام کے لئے حالات غیر مناسب تھے؛ نہ یہ کہ امام حسن علیہ السلام میں امام حسین علیہ السلام والے کام کو انجام دینے کی صلاحیت و قدرت نہیں تھی۔ امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں ہے، اِسی طرح امام حسین علیہ السلام اور امام سجاد علیہ السلام اور امام علی نقی علیہ السلام و امام حسن عسکری علیہ السلام میں بھی کوئی فرق نہیں ہے! صحیح ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام نے چونکہ قیام کیا ہے لہٰذا اُن کا قیام و منزلت اُن ائمہ سے زیادہ نمایاں ہے کہ جنہوں نے قیام نہیں کیا، لیکن مقام امامت کے لحاظ سے سب ائمہ برابر ہیں۔ ائمہ میں اگر کسی ایک کے لئے بھی کربلا جیسے حالات پیش آتے تو وہ قیام

کرتے اور اُسی مقام پر فائز ہوتے۔

وظیفے کی ادائیگی ہمیشہ خطرے کے ساتھ ہے!

اب امام حسین علیہ السلام انحراف و بدعت کے طوفان کے سامنے کھڑے ہیں پس انہیں اپنے وظیفے پر عمل کرنا چاہئے؛ حالات بھی مناسب ہیں لہٰذا اب کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ ابن جعفر، محمد ابن حنفیہ اور عبداللہ ابن عباس جیسی خاص، دین شناس، عارف، عالم، فہم وادراک رکھنے والی شخصیات نے امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ" اے مولا! اِس راہ میں خطرات ہیں، آپ نہ جایئے۔" یعنی وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ جب وظیفے کی انجام دہی میں خطرات ہوں تو وظیفے کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی۔ یہ لوگ اِس بات کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ یہ وظیفہ کوئی ایسا وظیفہ نہیں ہے کہ جو خطرات کی موجودگی میں ساقط ہوجائے گا! [1]

اِس وظیفے کی ادائیگی ہمیشہ خطرات کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ کیا یہ بات ممکن ہے کہ انسان ایک بہت بڑے اقتدار اور ایک انتہائی مضبوط قسم کے نظام کے خلاف قیام کرے اور اُسے کسی قسم کے خطرات کا سامنا نہ کرنا پڑے؟

اِس واجب پر عمل پیرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خطرات کو دعوت دے رہا ہے۔ یہ وہی واجب ہے کہ جسے حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا؛ اِن کو بھی یہی کہا جاتا تھا کہ آغا! آپ تو شاہ ایران سے ٹکر لے رہے ہیں۔

---

[1] جب یہ لوگ دین شناس اور صاحب فہم وادراک تھے تو اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھ سکے جو امام حسین علیہ السلام نے سمجھی؟! جواب یہ ہے کہ صحیح ہے کہ یہ لوگ دین شناس تھے مگر چونکہ ایسے حالات کبھی پیش نہیں آئے تھے لہٰذا اُن کے ذہن میں وہ بات نہیں آئی کہ جو امام حسین علیہ السلام کے ذہن میں آئی۔

آپ خطرات میں گھر جائیں گے۔

کیا امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نہیں جانتے تھے کہ اِس راہ میں خطرات ہیں؟ کیا امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بے خبر تھے کہ شاہ ایران کی خفیہ ایجنسی جب کسی کو گرفتار کرتی ہے تو اُسے شکنجہ واذیت دیتی ہے، اُسے قتل کرتی ہے، اُس گرفتار ہونے والے انسان کے دوستوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور اُنہیں جلا وطن کر دیتی ہے؟!

کیا امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ یہ سب نہیں جانتے تھے؟!

وہ کام جو امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں انجام پایا، اُس کی ایک چھوٹی سی مثال ہمارے زمانے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے سامنے آئی۔ فرق یہ ہے کہ اُس قیام کا نتیجہ شہادت کی صورت میں سامنے آیا اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے جہاد و قیام کا نتیجہ حکومت کی صورت میں نکلا؛ یہ وہی کام ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا ہدف، ایک ہی تھا۔ یہی مطلب، امام حسین علیہ السلام کی تعلیمات کی اساس وجان ہے اور امام حسین علیہ السلام کی تعلیمات، شیعہ مذہب کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ ہیں؛ سید الشہدا علیہ السلام کی تعلیمات مضبوط ومحکم بنیاد ہیں اور اسلام کی بنیادوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

اسلامی معاشرے کو صحیح راہ پر لوٹانا، ہدف ہے!

پس ہدف یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو اُس کے صحیح راستے کی طرف لوٹایا جائے، مگر کون سے زمانے میں؟ اُس وقت کہ جب اسلام کا راستہ تبدیل کر دیا گیا ہو اور خاص اور صاحب اثر ونفوذ افراد کی جہالت، ظلم واستبداد اور خیانت، مسلمانوں کو منحرف کر دے اور قیام کی شرائط پوری ہوگئی ہوں۔

البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف زمانے آتے ہیں، ایک وہ زمانہ ہے کہ جب شرائط پوری ہوں اور ایک وہ زمانہ ہے کہ جب حالات مناسب ہوں۔ امام حسین علیہ السلام کے دور میں بھی حالات اور شرائط مناسب تھے اور ہمارے زمانے میں بھی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہی کام انجام دیا کہ جو امام حسین علیہ السلام نے انجام دیا تھا کیونکہ دونوں کا ہدف ایک ہی تھا۔

جب ایک انسان ایک ہدف کے حصول کے لئے قدم اٹھاتا ہے اور چاہتا ہے کہ ایک ظالم حکومت اور باطل نظام کے خلاف قیام کرے؛ کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اسلام، اسلامی معاشرے اور اسلامی نظام کو اُس کے صحیح راستے پر لوٹا دے تو ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ قیام کرتا ہے تو اُسے حکومت مل جاتی ہے، یہ اِس قیام کی ایک صورت ہے کہ جو الحمدللہ ہمارے زمانے میں سامنے آئی۔ ایک وقت وہ ہے کہ جب وہ قیام کرتا ہے تو وہ حکومت تک نہیں پہنچتا لیکن درجہ شہادت پر فائز ہوتا ہے۔

کیا اِس دوسری صورت میں اِس وظیفے پر عمل کرنا واجب نہیں ہے؟ کیوں نہیں؛ واجب ہے، گرچہ وہ شہید ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہاں ایک اور سوال پیش آتا ہے کہ کیا اِس صورت میں کہ جب وہ اپنے وظیفے کی ادائیگی میں درجہ شہادت کو پالے تو اُس کے قیام کا کیا فائدہ ہے؟

جواب یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑتا؛ اِس قیام اور اِس حکومت کی دونوں صورتوں میں اُس کے قیام کا فائدہ ہے، خواہ وہ درجہ شہادت پر فائز ہو یا اُسے حکومت ملے۔ فرق یہ ہے کہ دونوں کا فائدہ الگ الگ ہے لیکن ہر صورت میں قیام کرنا اور قدم اٹھانا چاہیے۔

سید الشہدا علیہ السلام نے پہلی بار یہ قدم اٹھایا

یہ وہ کام تھا کہ جسے سید الشہدا علیہ السلام نے انجام دیا اور آپ علیہ السلام وہ پہلی شخصیت تھے کہ

جس نے پہلی بار یہ قدم اٹھایا۔ آپ سے قبل یہ کام انجام نہیں دیا گیا تھا کیونکہ زمانہ رسالت میں نہ یہ بدعتیں تھیں اور نہ امیر المومنین علیہ السلام کے دور امامت میں یہ انحرافات وجود میں آئے تھے یا اگر کچھ مقامات میں انحرافات تھے بھی تو اُن کے خلاف قیام کی شرائط پوری نہیں تھیں اور نہ ہی حالات مناسب تھے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کے دور امامت میں یہ دونوں چیزیں موجود تھیں۔ تحریک حسینی کی حقیقت یہی جاندار نکتہ ہے۔

پس ہم اِس طرح خلاصہ کر سکتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے اِس لئے قیام کیا کہ اُس عظیم واجب کو انجام دے سکیں جو اسلامی نظام اور اسلامی معاشرے کو از سر نو تعمیر کرنے یا اسلامی معاشرے میں انحرافات کے مقابلے میں قیام کرنے سے عبارت ہے۔ یہ عظیم کام؛ قیام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ ممکن ہے بلکہ انحرفات کا راستہ روکنا خود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زندہ مصداق ہے۔ البتہ یہ کام کبھی حکومت و اقتدار پر اختتام پذیر ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اِس کے لئے تیار تھے اور کبھی انسان کو درجہ شہادت تک پہنچا دیتا ہے اور سید الشہدا علیہ السلام نے خود کو اِس کے لئے بھی آمادہ کیا ہوا تھا۔

حکومت یزید سے اسلام کو زبردست خطرہ ہے

ہم کس دلیل کی بنا پر یہ بات کہہ رہے ہیں؟ ہم نے اِن تمام باتوں کو خود سید الشہدا علیہ السلام کے کلمات سے اخذ کیا ہے۔ ہم نے امام حسین علیہ السلام کے کلمات وارشادات میں سے چند عبارتوں کا انتخاب کیا ہے۔

جب مدینے میں وہاں کے حاکم ولید نے حضرت علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر کہا: "معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور آپ کو (نئے خلیفہ کی) بیعت کرنی چاہیے"۔

حضرت سید الشہدا علیہ السلام نے اُسے جواب دیا:

"نَنظُرُ وَ تَنظُرُونَ اَیُّنَا اَحَقُّ بِالبَیعَةِ وَ الخِلَافَةِ" [1]

" صبح تک انتظار کرو، ہم فکر کرتے ہیں کہ ہم (حسین اور یزید) میں سے کون خلافت اور بیعت کے لئے شائستہ ہے"!

اگلے دن مروان نے جب امام حسین علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگا: "اے ابا عبداللہ، آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈال رہے ہیں! خلیفہ وقت سے آکر بیعت کیوں نہیں کر لیتے ؟ آپ اپنی موت کا سامان تیار نہ کریں!"

سید الشہدا علیہ السلام نے اُس کے جواب میں یہ جملہ ارشاد فرمایا:

"إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ وَ عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذْ قَدْ بُلِيَتِ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيد". [2]

" ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور ہمیں لوٹ کر اُسی کی ہی طرف جانا ہے، جب یزید جیسا شخص امت مسلمہ کا خلیفہ بن جائے تو اسلام کو خدا حافظ کہہ دینا چاہیے"۔

یعنی اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے کہ جب یزید جیسا (فاسق و فاجر) شخص اقتدار کو سنبھال لے اور اسلام یزیدیت جیسی موذی بیماری میں مبتلا ہو جائے! یہاں یزید کی ذات کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ جو بھی یزید جیسا ہو۔

حضرت سید الشہدا علیہ السلام یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے لیکر اب تک جو ہوا وہ سب قابل تحمل تھا لیکن اب خود اصل دین اور اسلامی نظام (اور اُس کی بنیادیں) نشانے پر ہیں اور یزید جیسے کسی بھی شخص کی حکومت کرنے سے اسلام نابود ہو جائے گا۔یہی وجہ

---

[1] بحار الانوار، جلد ٤٤، ص ٣٢٥

[2] بحار الأنوار (ط-بيروت) / ج٤٤/ ٣٢٦/باب٣٧ ما جرى عليه بعد بيعة الناس ليزيد بن معاوية إلى شهادته صلوات الله عليه و لعنة الله على ظالميه و قاتليه و الراضين بقتله و المؤازرين عليه..... ص: ٣١٠

ہے کہ اس انحراف کا خطرہ بہت زیادہ ہے کیونکہ یہاں خود اسلام خطرے میں ہے۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے مدینہ سے اور اسی طرح مکہ سے اپنی روانگی کے وقت محمد ابن حنفیہ سے گفتگو کی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیہ السلام کی یہ وصیت مکہ سے آپ کی روانگی کے وقت کی ہے۔ ماہ ذی الحجہ میں محمد ابن حنفیہ بھی مکہ آ چکے تھے اور انہوں نے کئی مرتبہ امام حسین علیہ السلام سے گفتگو کی ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں حضرت علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنی تحریر وصیت کے عنوان سے دی۔

میرے قیام کا مقصد: امت محمدیؐ کی اصلاح ہے

امام حسین علیہ السلام خدا کی وحدانیت کی گواہی دینے اور مختلف امور کو بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ

"وَاِنِّی لَمْ اَخرُجْ اَشِرًا وَّلَا بَطِرًا وَّلَا مُفسِدًا وَّلَا ظَالِماً"۔ [۱]

یعنی آپ فرماتے ہیں کہ لوگ غلطی کا شکار نہ ہوں اور دشمن کی پروپیگنڈا مشینری اُنہیں دھوکہ نہ دے کہ امام حسین علیہ السلام بھی دوسروں کی مانند ہیں کہ جو مختلف جگہوں پر خروج کرتے ہیں، صرف اِس لئے کہ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لیں، اپنی خودنمائی، عیاشی اور ظلم وفساد برپا کرنے کے لئے میدان جنگ میں قدم رکھتے ہیں؛ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے بلکہ

"وَاِنَّمَا خَرَجتُ لِطَلَبِ الاِصلَاحِ فِی اُمَّةِ جَدِّی"۔ [۲]

"میں صرف اور صرف اپنے جد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی اصلاح کے لئے میدان عمل میں آیا ہوں)۔ میں فقط اصلاح کرنا چاہتا ہوں"۔

---

[۱] بحارالانوار، جلد ٤٤، ص ٣٢٩

[۲] بحارالانوار، جلد ٤٤، ص ٣٢٩

یہ وہ واجب ہے کہ جو امام حسین علیہ السلام سے قبل انجام نہیں دیا گیا تھا۔

یہ اصلاح، "خروج" کے ذریعے انجام پائے گی؛ خروج یعنی قیام اور امام حسین علیہ السلام نے اِس نکتے کو اپنی اِس وصیت میں تحریر فرمایا ہے اور صراحت کے ساتھ اِس معنی کو بیان کیا ہے۔ یعنی اولاً وہ قیام کرنا چاہتے ہیں اور یہ قیام اِس لئے ہے کہ ہم "اصلاح" کے طالب ہیں، نہ یہ کہ حتماً حکومت واقتدار ہمارے ہاتھ آجائے اور نہ اِس لئے کہ ہم جا کر صرف شہید ہونا چاہتے ہیں، نہیں! ہمارا ہدف صرف اصلاحِ امت ہے۔ البتہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اصلاح کا کام کوئی معمولی نوعیت کا کام نہیں ہے۔ اِسی اصلاح کے دوران کبھی حالات ایسے پیش آتے ہیں کہ انسان حکومت تک پہنچتا ہے اور زمام قدرت کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے وہ یہ کام نہیں کرسکتا بلکہ یہ کام غیر ممکن ہوجاتا ہے اور وہ درجہ شہادت پر فائز ہوتا ہے لیکن دونوں صورتوں میں اُس کا قیام اصلاح کے عمل کے لئے ہوتا ہے۔

اِس کے بعد امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اُرِیدُ اَن آمُرَ بِالمَعرُوفِ وَاَنهٰی عَنِ المُنکَرِ وَاُسِیرُ بِسِیرَةِ جَدّیِ وَ اَبِیِ." [1]

"میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف کروں اور نہی عن المنکر انجام دوں اور میں اپنے نانا اور بابا کی سیرت پر قدم اٹھانا چاہتا ہوں"۔ اصلاح کا ایک مصداق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

سید الشہدا علیہ السلام نے مکے میں دو گروہوں کو خط لکھے، ایک بصرہ کی اہم شخصیات کو اور دوسرا کوفہ کے اہم افراد کو۔ بصرہ کی اہم شخصیات کے نام جو آپ نے خط لکھا ہے اُس میں اِس طرح تحریر فرمایا ہے:

[1] بحار الانوار، جلد ٤٤، ص ٣٢٩

"وقد بَعثتُ رَسُولی اِلَیکُم بِھٰذَا الکِتَابِ وَاَنَا اَدعُوکُم اِلٰی کِتَابِ اللهِ و سُنَّةِ نَبِیِّهِ فَاِنَّ سَنَّةَ قَد اُمِیتَت وَالبِدعَة اُوحِیَت فَاِن تَسمَعُوا قَولِی اَھدِیکُم اِلٰی سَبِیلِ الرِّشَادِ". [1]

"میرا نمائندہ میرے خط کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہے اور میں تم لوگوں کو کتاب خدا اور اُس کے رسولؐ کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ بے شک سنتِ رسولؐ کو زندہ در گور کر دیا گیا ہے اور زمانہ جاہلیت کی بدعتوں و خرافات کو زندہ کر دیا گیا ہے، اگر تم میری پیروی کرو تو میں تم کو راہِ راست کی ہدایت کروں گا۔"

یعنی میں بدعتوں کو ختم کرنا اور سنتِ رسولؐ کا احیاء چاہتا ہوں کیونکہ حاکمان وقت نے سنت کو مردہ اور بدعتوں کو زندہ کر دیا ہے۔ اگر تم لوگ میری بات مانو اور میرے پیچھے قدم اٹھاؤ تو جان لو کہ ہدایت کا راستہ صرف میرے پاس ہے، میں ایک بہت بڑا فریضہ انجام دینا چاہتا ہوں کہ جو اسلام، سنتِ رسولؐ اور اسلامی نظام کے احیاء سے عبارت ہے۔

اسلامی حاکم، معاشرے میں کتاب خدا کو نافذ کرے

اہل کوفہ کے نام آپ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

"فلعمرِ ما الاِمَامُ اِلَّا الحَاکِمُ بِاالکِتَابِ وَالقَآئِمُ بِالقِسطِ الدَّآئِنُ بِدِینِ الحَقِّ وَالحَابِسُ نَفسِه عَلٰی ذَالِکَ لِلّٰهِ والسَّلَام"۔ [2]

"امام فقط وہی ہے جو صرف کتاب الٰہی کے مطابق حکومت کرے، عدل و انصاف کو قائم کرے، ملک و معاشرے اور قانون کی حق کی طرف راہنمائی کرے اور صراطِ مستقیم پر ہر طرح

---

[1] بحارالانوار، جلد ٤٤، ص ٣٢٩

[2] بحارالانوار، جلد ٤٤، ص ٣٣٥

سے اپنی حفاظت کرے"۔

امام و پیشوا اور اسلامی معاشرے کا سربراہ اور حاکم، اہل فسق و فجور، خائن، فسادی، قبیح اعمال کا ارتکاب کرنے والا شخص اور خدا سے دوری اختیار کرنے والا فرد نہیں ہوسکتا ہے۔ اسلامی معاشرے کا حاکم اُسے ہونا چاہیے کہ جو کتاب خدا کے مطابق فیصلہ کرے، کتابِ الٰہی پر عمل پیرا ہو، معاشرے میں اپنی اجتماعی ذمہ داریوں اور فرائض سے کنارہ کشی اختیار نہ کرے؛ نہ یہ کہ ایک کمرے میں بیٹھ کر تنہائی میں عبادت خدا بجالائے؛ اسلامی حاکم کو چاہیے کہ معاشرے میں کتاب خدا کو زندہ کرے، عدل و انصاف کا بول بالا کرے اور "حق" کو معاشرے کا قانون قرار دے نہ کہ نفسانی خواہشات اور شخصی رائے کو۔

"الدَّائِنُ بِدِينِ الحَقِّ"

یعنی اسلامی حاکم کو چاہیے کہ معاشرے کا قانون اور اُس کا راستہ صرف حق کے مطابق متعین کرے اور باطل افکار و نظریات اور شخصی رائے کو ترک کردے۔

"والحَابِسُ نَفسِهِ عَلَى ذَالِكَ لِلّٰهِ"

اِس جملے کا ظاہری معنی یہ ہے کہ خدا کہ راستے میں جس طرح بھی ہو اپنی حفاظت کرے اور شیطانی اور مادّی جلوؤں اور رنگینیوں کا اسیر نہ ہو۔

پیغمبرؐ نے ذمہ داری مشخص کردی ہے

سید الشہداء علیہ السلام جب مکے سے باہر تشریف لے گئے تو راستے میں آپ نے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے گفتگو فرمائی۔ "بیضہ" نامی منزل پر، کہ جب حُرّ ابن یزید ریاحی کا لشکر آپ کے ساتھ ساتھ تھا، اُترنے کے بعد شاید آپ نے استراحت کرنے سے قبل یا تھوڑی استراحت کے بعد کھڑے ہو کر دشمن کے لشکر سے اِس طرح خطاب فرمایا:

"اَیُّھا النَّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللہِ (صَلَّی اللہ عَلَیہ وآلِہ) قَالَ: مَن رَآیٰ سُلطَاناً جَآئِرًا مُستَحِلًّا لِحَرامِ اللہِ نَاکِثًا لِعَھدِ اللہِ، مُخَالِفًا لِسُنَّۃِ رَسُولِ اللہِ یَعمَلُ فِی عِبَادِ اللہِ بِالاِثمِ وَالعُدوَانِ ثُمَّ لَم یُغیِّر بِقَولٍ وَلَا فِعلٍ کَانَ حَقًّا عَلٰے اللہِ اَن یَدخُلَہُ مَدخَلَہُ" [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ" جو کسی جائر و ظالم حاکم کو دیکھے جو حرام خدا کو حلال جاننے والا، قانون خدا کو توڑنے والا، سنت رسولؐ کا مخالف اور مخلوق خدا میں گناہ و سرکشی سے حکومت کرنے والا ہو تو یہ دیکھنے والا اپنے قول و فعل سے اُس کے خلاف حکمت عملی اختیار نہ کرے تو خداوند عالم اِس سکوت و جمود اور خاموشی اختیار کرنے والے شخص کو اُس ظالم سلطان کے ساتھ عذاب میں ڈالے گا"۔

یعنی اگر کوئی یہ دیکھے کہ معاشرے میں کوئی حاکم برسر حکومت ہے اور ظلم و ستم کر رہا ہے، حرام خدا کو حلال قرار دے رہا ہے اور حلال خدا کو حرام بنا رہا ہے، اُس نے حکم الٰہی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور دوسرے افراد کو بھی عمل نہ کرنے کے لئے مجبور کر رہا ہے، لوگوں میں گناہ اور ظلم و دشمنی سے حکومت کرے۔" اُس زمانے میں ظالم اور جائر حاکم کا کامل مصداق یزید تھا۔"

"وَلَم یُغیِّر بِقَولٍ وَلَا فِعلٍ"

"اپنی زبان و عمل سے اُس کے خلاف اقدام نہ کرے"۔

"کَانَ حَقًّا عَلَی اللہِ اَن یَدخُلَہُ مَدخَلَہُ"

"تو خداوند عالم روز قیامت سکوت و جمود اختیار کرنے والے بے طرف و بے عمل شخص کو اُسی ظالم کے ساتھ ایک ہی عذاب میں ڈالے گا"۔

یہ پیغمبرؐ کا قول ہے؛ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ پیغمبرؐ نے یہ فرمایا ہے تو یہ اُن کے اقوال کا ایک

---

[1] بحار الانوار جلد ٤٤، صفحہ ٣٨٢

نمونہ ہے۔ پس حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سے مشخص کر دیا تھا کہ اگر اسلامی نظام انحراف کا شکار ہو جائے تو کیا کام کرنا چاہیے۔ امام حسین علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِسی قول کو اپنی تحریک کی بنیاد قرار دیا۔

میں دوسروں سے زیادہ اِس قیام کے لئے سزاوار ہوں

پس اِن حالات میں ذمے داری کیا ہے؟ اس حدیث نبویؐ کی روشنی میں ذمہ داری "یُغَیِّر بِقَولٍ وَلَا فِعلٍ" (اپنے زبان وعمل سے اقدام کرے) ہے۔ اگر انسان اِن حالات کا مشاہدہ کرے البتہ شرائط وحالات کا مناسب ہونا ضروری ہے، تو اُس پر واجب ہے کہ ظالم وجائر حاکم کے عمل کے جواب میں قیام واقدام کرے۔ وہ اِس قیام واقدام میں کسی بھی حالات سے دوچار ہو، قتل ہو جائے، زندہ رہے یا ظاہراً اُسے کامیابی نصیب ہو یا نہ ہو، اِن تمام حالات میں "قیام" اُس کا وظیفہ ہے۔ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اِن حالات میں قیام واقدام کرے اور یہ وہ ذمہ داری ہے کہ جسے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

اِس کے بعد سید الشہدا علیہ السلام نے فرمایا:

"وَاِنِّی اَحَقُّ بِهٰذَا"

میں اِس قیام کے لئے بقیہ تمام مسلمانوں سے زیادہ سزاوار ہوں کیونکہ میں فرزند پیغمبرؐ ہوں۔ اگر پیغمبرؐ نے حالات کی تبدیلی یعنی اُس قیام کو ایک ایک مسلمان پر واجب کیا ہے تو ظاہر ہے کہ حسین ابن علی علیہما السلام جو فرزند پیغمبرؐ ہیں اور اُن کے علم وحکمت کا وارث بھی ہیں، اِس قیام کے لئے دوسروں سے زیادہ مناسب ہیں۔

پس امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اِسی لئے قیام کیا ہے اور وہ اپنے قیام کے علل واسباب کو بیان فرمارہے ہیں۔

جو کچھ خدا نے ہمارے لئے چاہا ہے، خیر ہے

"اَزید" نامی منزل پر کہ جب چار افراد حضرت علیہ السلام سے آ ملے، آپ نے فرمایا:

"اَمَّا وَاللهِ اَنِّی لَاَرجُو اَن یَکُونَ مَا اَرَادَ اللهُ بِنَا قُتِلنَا اَو ظَفَرنَا".

"جو کچھ اللہ نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے وہ ہمارے لئے صرف خیر و برکت ہی ہے، خواہ قتل کر دیئے جائیں یا کامیاب ہو جائیں"۔ کوئی فرق نہیں ہے خواہ کامیابی ہمارے قدم چومے یا راہ خدا میں قتل کر دیئے جائیں، ذمے داری کو ہر صورت میں ادا کرنا ہے؛ آپ نے یہی فرمایا کہ خداوند عالم نے جس چیز کو ہمارے لئے مقرر فرمایا ہے، اُس میں ہمارے لئے بہتری اور بھلائی ہی ہے؛ ہم اپنی ذمہ داری کو ادا کر رہے ہیں خواہ اِس راہ میں قتل کر دیئے جائیں یا کامیاب ہو جائیں۔

سرزمین کربلا میں قدم رکھنے کے بعد آپ نے اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا:

"قَد نَزَلَ مِنَ الاَمرِ ما قَد تَرَونَ..." [1]

"اَلَا تَرَونَ اِلَی الحَقِّ لَا یُعمَلُ بِهِ وَ اِلَی البَاطِلِ لَا یُتَنَاهیٰ عَنهُ لِیَرغَبِ المُومِنِ فِی لِقَآءِ اللهِ مُحِقًّا" [2]

"کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے اور باطل سے دوری اختیار نہیں کی جارہی ایسے وقت میں مومن کو چاہیے کہ وہ ملاقات خدا کے لئے تیار رہے۔"

---

[1] بحارالانوار ج ٤٤، صفحہ ٣٨١

[2] بحارالانوار ج ٤٤، صفحہ ٣٨١

امام حسین علیہ السلام نے اسلام کا بیمہ کیا

پس امام حسین علیہ السلام نے ایک امر واجب کے لئے قیام فرمایا۔ یہ ایک ایسا واجب ہے کہ جو ہر زمانے اور ہر تاریخ میں تمام مسلمانوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے اور یہ واجب عبادت ہے اِس امر سے کہ مسلمان جب اِس بات کا مشاہدہ کریں کہ اسلامی معاشرے کا نظام ایک بُنیادی خرابی کا شکار ہو گیا ہے اور اُس سے تمام اسلامی احکامات کی خرابی کو خطرہ لاحق ہے تو اِن حالات میں ہر مسلمان کو قیام کرنا چاہیے۔

البتہ یہ قیام، مناسب حالات و شرائط میں واجب ہے (کہ جسے گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے) کہ جب قیام کرنے والا یہ جانتا ہو کہ یہ قیام اثر بخش ہوگا۔ اِن مناسب حالات کا قیام کرنے والے کے زندہ رہنے، قتل نہ ہونے یا مشکل و مصائب کا سامنا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے قیام فرمایا اور عملاً اِس واجب کو انجام دیا تا کہ رہتی دنیا کے لئے ایک درس ہو۔

اِس بات کا بھی امکان ہے کہ تاریخ کے کسی بھی زمانے میں کوئی بھی شخص مناسب شرائط و حالات میں یہ کام انجام دے البتہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سید الشہدا علیہ السلام کے بعد کسی بھی امام معصوم کے زمانے میں ایسے حالات پیش نہیں آئے۔ خود یہ بات تجزیہ و تحلیل کا تقاضا کرتی ہے کہ ایسے حالات دوبارہ کیوں نہیں پیش آئے۔ چونکہ بہت سے اہم ترین کام تھے کہ جنہیں انجام دینا ضروری تھا اور کربلا کے قیام کے بعد سے امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت اور حضرت امام عصر کی غیبت کے ابتدائی زمانے تک اسلامی معاشرے میں ایسے حالات کبھی سامنے نہیں آئے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اِس قسم کے حالات اسلامی ممالک میں زیادہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور آج بھی دنیائے اسلام میں بہت سے مقامات پر اِس کام کے لئے زمین ہموار ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اِس فریضے کو انجام دیں۔ اگر وہ اِس واجب کو انجام دیں تو اِس طرح وہ اپنی

ذمہ داری کو ادا کر سکیں گے اور اسلام کی توسیع اور حفاظت کی زمین ہموار کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ ایک دو افراد شکست کھائیں گے۔

جب معاشرتی حالات کی تبدیلی، قیام اور اصلاحی تحریک کے لئے بار بار اقدامات کیے جائیں تو برائیاں اور انحرافات یقینی طور پر ختم ہو جائیں گے۔ امام حسین علیہ السلام سے قبل کوئی بھی اِس راستے سے واقف اور اِس کام سے آگاہ نہ تھا، چونکہ زمانہ پیغمبرؐ میں یہ کام انجام نہیں دیا گیا تھا، خلفاء کے زمانے میں بھی ایسے حالات نہیں تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کہ جو معصوم تھے، نے بھی اِس کام کو انجام نہیں دیا تھا۔ یہ امام حسین علیہ السلام ہی تھے کہ جنہوں نے عملی طور پر پوری تاریخ انسانیت کو ایک بہت بڑا درس دیا اور در حقیقت خود اپنے زمانے میں اور آنے والے زمانوں میں اسلام کا بیمہ کر دیا۔

سید الشہدا علیہ السلام کی یاد اور کربلا کیوں زندہ رہے؟

جہاں بھی حالات اور برائیاں و انحرفات، امام حسین علیہ السلام کے زمانے جیسے ہوں، سید الشہدا علیہ السلام وہاں زندہ ہیں اور آپؑ اپنے شیوہ اور عمل سے بتا رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو کیا کام انجام دینا چاہیے چنانچہ وہی ذمہ داری اور وظیفہ قرار پائے گی۔ لہٰذا سید الشہدا علیہ السلام کی یاد اور ذکر کربلا کو ہمیشہ زندہ رہنا چاہیے کیونکہ یہ ذکر کربلا ہی ہے جو اِس عمل کو ہمارے سامنے متجلّی کرتا ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی ممالک میں کربلا کو جس طرح پہچاننا چاہیے تھے، پہچانا نہیں گیا۔ اقوام عالم کو چاہیے کہ اِسے پہچانیں، ہمارے ملک میں کربلا کی شناخت صحیح طور پر موجود ہے؛ ہماری عوام (کئی صدیوں سے) امام حسین علیہ السلام کی شناخت رکھتی ہے اور اُن کے قیام سے واقف و آگاہ ہے۔ معاشرے میں حسینی روح موجود تھی لہٰذا جب امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محرم وہ مہینہ ہے کہ "جب خون، تلوار پر کامیاب ہوگیا" تو ہماری عوام نے کسی قسم کا تعجب نہیں کیا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ خون اور مظلومیت، ظلم و شمشیر پر غالب آ گئی۔

وہ درس جو طوطوں نے اسیر طوطے کو دیا

میں نے کئی سال قبل البتہ قبل از انقلاب، کسی محفل میں ایک مثال بیان کی تھی کہ جسے مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں بیان کیا ہے۔

یہ مَثَل ہے اور اِسے حقائق کو بیان کرنے کے لئے سنایا جاتا ہے۔ ایک تاجر نے اپنے

گھر میں پنجرے میں ایک طوطے کو پالا ہوا تھا۔ایک مرتبہ جب اُس نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا تو اپنے اہل وعیال سے خدا حافظی کی اور اپنے اِس طوطے سے بھی خدا حافظی کی۔اُس نے اپنے طوطے سے کہا کہ میں ہندوستان جارہا ہوں جو تمہارا ملک اور تمہاری سرزمین ہے۔

طوطے نے کہا: تم ہندوستان میں فلاں جگہ جانا، وہاں میرے عزیز و اقارب اور دوست احباب ہیں، اُن سے کہنا کہ تمہاری قوم کا ایک طوطا میرے گھر میں پنجرے میں ہے، یعنی میری حالت کو اُن کے لئے بیان کرنا؛ اِس کے علاوہ میں تم سے کسی اور چیز کا طلبگار نہیں ہوں۔

یہ شخص ہندوستان گیا اور اُس جگہ گیا کہ جہاں کا پتہ اُس کے طوطے نے دیا تھا۔اُس نے دیکھا کہ بہت سے طوطے درختوں پر بیٹھے ہیں، اُس نے اونچی آواز میں سب کو مخاطب کیا اور کہا کہ اے پیارے اور اچھے طوطو! میں تمہارے لئے ایک پیغام لایا ہوں۔تمہاری قوم کا ایک طوطا میرے گھر میں ہے، وہ بہت اچھی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہے اور میں نے اُسے پنجرے میں قید کیا ہوا ہے، میں اُسے اچھی غذائیں دیتا ہوں اور اُس نے تم سب کو سلام کہا ہے۔ابھی تاجر نے اتنا ہی کہا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ وہ طوطے جو درختوں پر بیٹھے تھے، اچانک اُنہوں نے اپنے پروں کو پھڑ پھڑایا اور زمین پر گر پڑے۔ یہ شخص آگے بڑھا تو دیکھا کہ یہ طوطے مر چکے ہیں، اُسے بہت افسوس ہوا کہ میں نے ایسی بات ہی کیوں کی کہ جس کو سننے سے یہ سارے پرندے مثلاً پانچ دس طوطے اپنی جان گنوا بیٹھے۔اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور اب کچھ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تاجر جب اپنے وطن لوٹا اور اپنے گھر پہنچنے کے بعد طوطے کے پنجرے کے پاس گیا تو اُس نے کہا کہ میں نے تمہارا پیغام انہیں پہنچا دیا تھا۔

طوطے نے پوچھا کہ اُنہوں نے کیا جواب دیا۔

تاجر نے کہا: جب انہوں نے مجھ سے تمہارا پیغام سنا تو پروں کو پھڑ پھڑایا اور زمین پر گر کر مر گئے۔

ابھی تاجر نے اتنا ہی کہا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ طوطے نے پنجرے میں پر

پھڑ پھڑائے اور مر گیا۔

تاجر کو اُس کی موت کا بہت افسوس ہوا، اُس نے پنجرے کا دروازہ کھولا کیونکہ اِس مردہ طوطے کو پنجرے میں رکھنے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اُس نے طوطے کو پنجوں سے پکڑا اور چھت کی طرف اچھال دیا۔ طوطا جیسے ہی ہوا میں اچھلا، اُس نے فضا میں ہی اپنے پروں کو پھڑ پھڑانا شروع کر دیا اور دیوار پر جا بیٹھا اور کہنے لگا: اے تاجر، اے میرے دوست، میں تمہارا بہت احسان مند ہوں کہ تم نے خود میری رہائی کے اسباب فراہم کیے۔ میں مرا نہیں تھا بلکہ مردہ بن گیا تھا! یہ وہ درس تھا کہ جسے ہندوستان کے طوطوں نے مجھے دیا ہے۔ جب وہ متوجہ ہوئے کہ میں یہاں پنجرے میں قید ہوں تو انہوں نے سوچا کہ وہ کس زبان سے کہیں کہ میں کیا کام کروں تاکہ قید سے رہائی حاصل کر سکوں؟ اُنہوں نے عملی طور پر مجھے بتایا کہ یہ کام انجام دوں تاکہ اسیری سے رہائی پاؤں! مر جاؤ تاکہ زندہ ہو سکو (اور آزادی کی زندگی گذارو)! میں نے اُن کے پیغام کو تمہارے ذریعہ سے سمجھ لیا۔ یہ وہ درس تھا کہ جو ہزاروں میل دور اُس جگہ سے مجھ تک پہنچا اور میں نے اُس درس سے اپنی نجات و آزادی کے لئے اقدام کیا۔

میں نے اُسی محفل میں تقریباً بیس بائیس سال قبل (۱۳۹۶ ہجری) موجود مرد و خواتین سے عرض کیا کہ محترم سامعین، امام حسین علیہ السلام کس زبان سے ہمیں سمجھائیں کہ تم سب کی ذمہ داری کیا ہے؟

امام حسینؑ نے اپنے عظیم عمل سے ذمہ داری کو واضح کر دیا

ہمارے زمانے کے حالات، امام حسین علیہ السلام کے زمانے کے حالات جیسے ہیں اور آج کی زندگی، ویسی ہی زندگی ہے اور اسلام وہی اسلام ہے جو سید الشہدا علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اگر امام حسین علیہ السلام سے ایک جملہ بھی نقل نہ کیا جاتا تب بھی ہمیں چاہیے تھا کہ ہم سمجھیں کہ ہماری ذمہ

داری کیا ہے؟

وہ قوم جو اسیر اور غیر ملکی طاقتوں کی زنجیروں میں قید ہے، جس کے اعلیٰ عہدیدار برائیوں کا علی الاعلان ارتکاب کررہے ہیں، وہ قوم کہ جس پر دُشمنانِ دین حکومت کررہے ہیں اور اُس کی قسمت اور زندگی کے فیصلوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے، لہٰذا تاریخ سے سبق لینا چاہیے کہ اِن حالات میں ذمہ داری کیا ہے۔ چونکہ فرزند پیغمبرؐ نے عملی طور پر یہ بتادیا ہے کہ اِس قسم کے حالات میں کیا کام کرنا چاہیے۔

یہ درس، زبان سے نہیں دیا جاسکتا تھا؛ اگر امام حسین علیہ السلام اِسی درس کو سومرتبہ بھی زبان سے کہتے اور عملی طور پر خود تشریف نہیں لے جاتے تو ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ کا یہ پیغام صدیوں پر محیط ہوجاتا؛ صرف نصیحت کرنے اور زبانی جمع خرچ سے یہ پیغام صدیوں کا فاصلہ طے نہیں کرپاتا اور تاریخ کے اُسی دور میں ہی دفن ہوجاتا۔ ایسے پیغام کو صدیوں تک پھیلانے اور تاریخ کا سفر طے کرنے کے لئے عمل کی ضرورت تھی اور وہ بھی ایسا عمل کہ جو بہت عظیم ہو، سخت مشکلات کا سامنا کرنے والا ہو، جو ایثار و فداکاری اور عظمت کے ساتھ ہو اور پُر درد بھی ہو کہ جسے صرف امام حسین علیہ السلام نے ہی انجام دیا!

حقیقت تو یہ ہے کہ واقعہ کربلا میں روز عاشورا کے سے جو واقعات و حادثات ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں، اُن کے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعات و حادثات، پوری تاریخ بشریت میں اپنی نوعیت کے بے مثل و نظیر واقعات ہیں۔ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور جو کچھ واقعات میں آیا ہے:

"لَا یَومَ کَیَومِكَ یَا اَبَا عَبدِ اللهِ" [1]

"اے ابا عبداللہ! (امام حسین علیہ السلام) کوئی دن بھی آپ کے دن، (عاشورا، کربلا اور

---

[1] بحارالانوار، جلد ٤٥، صفحہ ٢٢١٨ خطبہ نماز جمعہ، ١٠ محرم ١٤١٦ ہجری

آپ کے اِس حادثے) کی طرح نہیں ہے“۔

مختلف قسم کی ذمہ داریوں میں سے اصلی ذمے داری کی تشخیص

تحریک کربلا میں بہت سے نکات مضمر ہیں کہ اگر امت مسلمہ اور دانشور حضرات و مفکرین اِس سلسلے میں مختلف جہات سے تحقیق کریں جو اِس واقعہ اور اِس سے متعلق قبل و بعد کے امور، مذہبی زندگی کی راہوں اور مختلف قسم کے حالات میں موجودہ اور آنے والی مسلمان نسلوں کے لئے اُن کے وظائف اور ذمہ داریوں کو مشخص کردیں گے۔

واقعہ کربلا کے درسوں میں سے ایک نہایت ہی اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت سید الشہدا علیہ السلام نے تاریخ اسلام کے بہت ہی حساس دور میں مختلف قسم کی ذمہ داریوں میں سے اپنے اصلی اور حقیقی ذمہ داری کہ جو مختلف جہات سے قابل اہمیت تھی، کو تشخیص دیا اور اُس ذمہ داری کو ادا بھی کیا اور ساتھ ہی آپ اُس امر کی شناخت میں شک و تردید اور توہّم کا شکار نہیں ہوئے کہ جس کی دنیائے اسلام کو اُس وقت اشد ضرورت تھی۔ خود یہ امر وہ چیز ہے کہ جو مختلف زمانوں میں مسلمانوں کی زندگی کے لئے باعث خطرہ بنا ہوا ہے، یعنی یہ کہ ایک قوم کی اکثریت، اُس کے سربراہ و حاکم اور امت مسلمہ کے چیدہ چیدہ اور خاص افراد خاص حالات میں اپنی اصلی ذمہ داری کی شناخت و تشخیص میں غلطی کر بیٹھیں اور وہ یہ نہ جانیں کہ کون سا کام اِس وقت لازمی ہے کہ جسے اِس وقت انجام دینا ضروری ہے اور دوسرے امور کو [اگر لازمی ہوا] اِس پر قربان کرنا چاہیے اور وہ یہ تشخیص نہ دے سکیں کہ کون سا امر ثانوی حیثیت کا حامل ہے اور وہ یہ سمجھ نہ سکیں کہ ہر قدم و ہر کام کو اُس کی حیثیت کے مطابق اہمیت دینی چاہیے اور اُسی کے مطابق اُس کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔

امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے زمانے میں ایسے افراد بھی تھے کہ اگر اِس بارے میں اُن سے گفتگو کی جاتی کہ ہمیں ہر صورت میں قیام کرنا چاہیے تو وہ سمجھ جاتے کہ اِس قیام کے نتیجے

میں بہت سی مشکلات و مصائب اُن کا انتظار کررہے ہیں تو وہ ثانوی حیثیت والے امور کوتوجہ دیتے اور دوسرے درجے کی ذمہ داریوں کی تلاش میں نکل پڑتے! بالکل ایسا ہی ہوا کہ ہم نے دیکھا کہ کچھ افراد نے عیناً یہی کام انجام دیا؛ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ نہ آنے والے افراد میں بہت سے مومن اور دیندار افراد موجود تھے، ایسا نہیں تھا کہ نہ آنے والے سب کے سب دنیادار ہوں۔

اُس زمانے میں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے افراد اور خاص شخصیات میں اہل ایمان، مومن اور اپنے وظیفے اور ذمہ داریوں پر عمل کرنے کے خواہشمند افراد بھی تھے لیکن وہ اپنی ذمہ داریوں کو تشخیص دینے والی صلاحیت سے عاری تھے اور اُن میں یہ قابلیت نہیں تھی کہ حالات کے دھارے کو سمجھیں یا نوشتہ دیوار پڑھیں اور اپنے اصلی اور حقیقی دشمن کو سمجھیں۔ یہ افراد جو بظاہر مومن اور دیندار تھے اپنے اصلی اور لازم الاجراء امور اور دوسرے اور تیسرے درجے کے کاموں کی تشخیص میں غلطی کر بیٹھے اور یہ امر اُن بڑی آفت اور بلاؤں سے تعلق رکھتا ہے کہ جس میں امت مسلمہ ہمیشہ گرفتار رہی ہے۔

معاشرتی زندگی کی بقامیں حقیقی ذمہ داری کی شناخت کی اہمیت

آج ممکن ہے کہ ہم بھی اِس بلا میں گرفتار ہوجائیں اور اہم ترین افراد کم اہمیت والے امر کی تشخیص میں غلطی کر بیٹھیں۔ لہٰذا حقیقی ذمہ داری کی شناخت بہت ضروری ہے جو کسی بھی معاشرے کی حیات و بقا میں بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ اِس ملک میں استعمار، استبداد اور طاغوتی نظام حکومت کے خلاف میدانِ مبارزہ موجود تھا لیکن بعض ایسے افراد بھی تھے جو اِس مبارزے اور قیام کو اپنا وظیفہ نہیں سمجھتے تھے اور اُنہوں نے دوسرے امور کو اپنا ہدف بنایا ہوا تھا۔ اگر کوئی اُس وقت کسی جگہ تدریس

علم میں مصروف عمل تھا یا کسی کتاب کی تالیف وجمع آوری میں کوشاں تھا، یا اگر محدود پیمانے پر تبلیغ میں سرگرم عمل تھا یا اگر کسی نے دینی و مذہبی امور کے ساتھ ساتھ مختصر پیمانے پر عوام الناس کی ہدایت کو اپنے ذمہ لئے ہوا تھا تو وہ یہ سوچتا تھا کہ اگر وہ جہاد میں مصروف ہوجائے گا تو یہ سارے امور یونہی ادھورے پڑے رہ جائیں گے! لہٰذا وہ اِس فکر وخیال کے نتیجے میں اُس عظیم اور اہمیت والے جہاد اور قیام کو ترک کردیتا تھا اور لازم وغیر ضروری یا اہم ترین اور اہم امور کی تشخیص میں غلطی کر بیٹھتا تھا۔

سید الشہد اعلیہ السلام نے اپنے بیانات سے ہمیں سمجھایا کہ ایسے حالات میں طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ اور طاغوتی اور شیطانی قدرت و طاقتوں سے انسانوں کی نجات کے لئے اقدام کرنا دنیائے اسلام کے لئے واجب ترین کاموں میں سے ایک کام ہے۔ واضح ہے کہ سید الشہد اعلیہ السلام اگر مدینے میں ہی قیام پذیر رہتے تو عوام میں احکام الٰہی اور تعلیمات اہل بیت علیہم السلام کی تبلیغ فرماتے اور کچھ افراد کی تربیت کرتے ؛لیکن اگر ایک حادثہ رُونما ہونے کی وجہ سے مثلاً عراق کی طرف حرکت فرماتے تو آپؑ کو اِن تمام کاموں کو خیر آباد کہنا پڑتا اور اِس حالت میں آپؑ لوگوں کو نماز اور احادیث نبویؐ کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے، آپ کو اپنے درس ومکتب اور تعلیمات کے بیان کو خدا حافظ کہنا پڑتا اور یتیموں، مفلسوں اور فقراء کی مدد کہ جو آپ مدینے میں انجام دیتے تھے، سب کو چھوڑنا پڑتا!

اِن تمام امور میں سے ہر ایک ایسا وظیفہ تھا کہ جسے سید الشہد اعلیہ السلام انجام دے رہے تھے لیکن آپ علیہ السلام نے یہ تمام ذمہ داریاں ایک عظیم اور اہم ذمہ داری پر قربان کردی! یہاں تک کہ حج بیت اللہ کو اُس کے آغاز میں کہ جب مسلمان پوری دنیا سے حج کے لئے آرہے تھے، اِس عظیم ترین فریضے پر فدا کردیا، بالآخر وہ ذمہ داری کیا تھی؟

آج واجب ترین کام کیا ہے؟

جیسا کہ خود امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ ظلم وفساد اور برائی کے نظام سے مقابلہ واجبات میں سے ایک واجب ہے۔

"اُرِیدُ اَن اٰمُرَ بِالمَعرُوفِ وَ اَنھٰی عَنِ المُنکَرِ وَاُسِیرُ بِسِیرَۃِ جَدّیِ وَاَبِی" [1]

یا ایک اور خطبے میں آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ رَسُولَ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَد قَالَ فِی حَیَاتِہِ مَن رَاٰیٰ سُلطَاناً جَآئِرًا مُستَحِلًّا لِحَرامِ اللہِ نَاکِثًا لِعَھدِ اللہِ، مُخَالِفًا لِسُنَّۃِ رَسُولِ اللہِ یَعمَلُ فِی عِبَادِ اللہِ بِالاِثمِ وَالعُدوَانِ ثُمَّ لَم یُغَیِّر بِقَولٍ وَلَا فِعلٍ کَانَ حَقًّا عَلَی اللہِ اَن یَدخُلَہُ مَدخَلَہُ" [2]

یعنی وظیفہ "اِغَارَۃ" ہے یا بہ عبارت دیگر ایسے سلطان ظلم و جور کے خلاف حالات کو تبدیل کرنا کہ جو برائیوں کو عام کررہا ہے اور ایسے نظام حکومت کے خلاف قیام کرنا جو انسانوں کو نابودی اور مادی اور معنوی فنا کی طرف کھینچ رہا ہے۔

یہ تھی امام حسین علیہ السلام اِس کی تحریک کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مصداق بھی قرار

---

[1] بحارالانوار، جلد ٤٤، صفحہ ٣٢٩

[2] بحارالانوار، جلد ٤٤، صفحہ ٣٨٢

دیا گیا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری میں حتماً اِن نکات کی طرف توجہ ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ سید الشہد اعلیہ السلام ایک اہم ترین واجب کی ادائیگی کے لئے اقدام کرتے ہیں اور دوسری بہت سی اہم ذمہ داریوں کو اِس اہم ترین ذمہ داری پر قربان کردیتے ہیں اور اِس بات کو تشخیص کرتے ہیں کہ آج کیا ذمہ داری ہے؟

دشمن کی شناخت اور اس کا مقابلہ

آج اِس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم دشمن کی شناخت اور اُس سے مقابلے کے لئے ضروری اقدامات میں غلطی کریں!

ہر زمانے میں اسلامی معاشرے کے لئے ایک خاص قسم کی ذمہ داری معین ہے کہ جب دشمن اور باطل قوتوں کا محاذ، عالم اسلام اور مسلمانوں کو اپنے نشانے پر لے آئے تو کیا کیا جائے؟ اگر ہم نے دشمن کی شناخت میں غلطی کی اور اُس جہت کو تشخیص نہیں دے سکے کہ جہاں سے اسلام اور مسلمانوں کو خسارہ اٹھانا پڑے گا اور جہاں سے اُن پر حملہ کیا جائے گا تو نتیجے میں ایسا نقصان وخسارہ سامنے آئے گا کہ جس کا ازالہ کرنا ممکن نہیں ہوگا اور بہت بڑی فرصت ہاتھ سے نکل جائے گی۔

بحیثیت امت مسلمہ آج ہماری ذمہ داری ہے کہ پوری ملت اسلامیہ اور اپنی عوام کے لئے اپنی اِسی ہوشیاری، توجہ، دشمن شناسی اور وظیفے کی تشخیص کو ہر ممکن طریقے سے اعلیٰ درجہ تک پہنچانے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

آج اسلامی حکومت کی تشکیل اور پرچم اسلام کے لہرائے جانے کے بعد ایسے امکانات اور فرصت کے لمحات مسلمانوں کے اختیار میں ہیں کہ تاریخ اسلام میں اُس کے آغاز سے لے کر آج تک جس کی مثال نہیں ملتی۔ آج ہمیں کوئی حق نہیں کہ شناخت دشمن اور اُس کے

حملے کی جہت سے آگاہی میں غلطی کریں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے آغاز سے لے کر آج تک امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی راہ پر قدم اٹھانے والی شخصیات کی یہی کوشش رہی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ موجودہ دنیا میں مسلمانوں، ایران کے اسلامی معاشرے، حق اور عدل و انصاف کو قائم کرنے میں دشمن کی کون سی سازش اور چال سب سے زیادہ خطرناک ہے!

گذشتہ سالوں کی طرح آج بھی (انقلاب اسلامی کو اُس کے بلند و بالا مقصد و ہدف کی طرف پیش قدمی سے روکنے کے لئے عالمی کفر و استکبار کی طرف سے دشمنی، حملے اور تمام تر خطرات اپنے عروج پر ہیں! یہ وہ بزرگترین خطرہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو لاحق ہے۔ صحیح ہے کہ ایک معاشرے کے اندرونی اختلافات اور ضعف و کمزوری، دشمن کے حملے کی زمین ہموار کرتے ہیں لیکن دشمن اپنے مد مقابل افراد کی اِسی ضعف و کمزوری کو اپنے تمام تر وسائل اور امکانات کے ساتھ ایک صحیح و سالم معاشرے پر تھونپ دیتا ہے لہٰذا ہمیں اِس بارے میں ہرگز غلطی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ آج اسلامی معاشرے کی حرکت کی جہت کو عالمی استکبار سے مقابلے اور اُس کی بیخ کنی کی جہت میں ہونا چاہیے کہ جس نے اپنے پنجوں کو پوری دنیائے اسلام میں گاڑا ہوا ہے۔ [1]

---

[1] علما سے خطاب، ۱۳۷۱:۵:۷

قیام کربلا کا فلسفہ

روز اربعین امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں ایک بہت ہی پُر معنیٰ جملہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ

" وَ بَذَلَ مُهجَتَهُ فِيكَ لِيَستَنقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الجَهَالَةِ وَحَيرَةِ الضَّلَالَةِ". [1]

امام حسین علیہ السلام کی فدا کاری اور شہادت کے فلسفے کو اِس ایک جملے میں سمودیا گیا ہے۔ اِس جملے میں ہم کہتے ہیں کہ

"بارالہا! تیرے اِس بندے [حسین ابن علی علیہما السلام] نے اپنے خون کو تیری راہ میں قربان کردیا تا کہ تیرے بندوں کو جہالت سے باہر نکالے اور اُنہیں گمراہی میں حیرت وسرگردانی سے نجات دے"۔

دیکھئے کہ یہ کتنا پُرمعنیٰ جملہ ہے اور کتنے ہی عظیم مفاہیم اِس ایک جملے میں موجود ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ بشریت ہمیشہ شیطانی ہاتھوں میں بازیچہ بنی رہی ہے، بڑے چھوٹے شیطانوں کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ اپنے مقاصد تک رسائی کے لئے انسانوں اور قوموں کو قربان کردیں۔آپ نے تاریخ میں اِن تمام حالات وواقعات کو خود دیکھا ہے اور جابرو ستمگر سلاطین کے حالات زندگی، قوموں سے اُن کی روش و برتاؤ، موجودہ دنیا کی حالت زار اور

---

[1] زیارت اربعین، مفاتیح الجنان

بڑی طاقتوں کے سلوک کا آپ نے بہ چشم دید مشاہدہ کیا ہے۔ انسان، شیطانی مکروفریب کے نشانے پر ہے لہٰذا اِس انسان کی مدد کرنی چاہیے اور بندگان الٰہی کی فریادرسی کے اسباب فراہم کرنے چاہئیں تاکہ وہ خود کو جہالت کے اندھیروں سے نجات دے سکیں اور حیرت وسرگردانی سے خود کو باہر نکال سکیں۔

وہ کون ہے کہ جو ہلاکت کی طرف گامزن بشریت کی نجات کے لئے اپنے دست نجات کو پھیلائے ؟ وہ لوگ تو اِس سلسلے میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھائیں گے جو اپنی خواہشات نفسانی اور شہوتوں کے اسیر وغلام ہیں کیونکہ یہ لوگ خود گمراہ ہیں، لہٰذا جو لوگ اپنی خواہشات کے اسیر وغلام ہوں وہ بشریت کو کیسے نجات دے سکتے ہیں؟!

یہ نجات دہندہ کوئی ایسا فرد ہو جو اِن سب کو نجات سے ہمکنار کرے یا لطف الٰہی اُن کے شامل حال ہو اور اُن کا ارادہ مستحکم ہوجائے تاکہ خود کو خواہشات وشہوات کی اسیری کی زنجیروں سے رہائی دلاسکیں۔ وہ ذات جو بشر کو نجات ورہائی دے اُسے درگذر کا مالک ہونا چاہیے تاکہ ایثار وفداکاری سے کام لے سکے اور اپنی شیطانی شہوت وخواہشات کو چھوڑ دے، اپنی انانیت، خود پرستی، خودخواہی، حرص، ہوا وہوس، حسد، بُخل اور دیگر برائیوں کی قید سے باہر آکر گمراہی میں سرگرداں بشریت کی نجات کے لئے شمع روشن کرسکے۔

امام حسین علیہ السلام کا ہدف اور اُس کی راہ میں حائل رکاوٹیں

کربلا کا خورشیدِ لازوال اگرچہ محرم اور کربلا اور اُس کے عظیم نتائج کے بارے میں بہت زیادہ قیمتی گفتگو کی گئی ہے لیکن زمانہ جتنا جتنا آگے بڑھتا رہتا ہے کربلا کا خورشیدِ منور کہ جسے خورشید شہادت اور غریبانہ و مظلومانہ جہاد کے خورشید سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور جسے حسین ابن علی علیہما السلام اور اُن کے اصحاب باوفا نے روشنی بخشی ہے، پہلے سے زیادہ آشکار ہوتا جاتا ہے اور کربلا کی برکتیں اور فوائد پہلے سے زیادہ جلوہ افروز ہوتے رہتے ہیں۔

جس دن یہ واقعہ رونما ہوا اُس دن سے لے کر آج تک اِس واقعہ کے بنیادی اثرات بتدریج آشکار ہوتے جارہے ہیں۔ اُسی زمانے میں کچھ لوگوں نے اِس بات کو محسوس کیا کہ اُن کے ذمے کچھ وظائف عائد ہوتے ہیں؛ قیام توّابین اور بنی ہاشم و بنی الحسن کے طولانی مقابلے کے واقعات سامنے آئے، یہاں تک کہ بنوامیہ کے خلاف چلائی جانے والی بنوعباس کی تحریک دوسری صدی ہجری کے وسط میں چلائی گئی اور اِس تحریک نے عالم اسلام میں خصوصاً مشرقی ایران و خراسان وغیرہ کی طرف اپنے مبلّغین بھیجے اور یوں اُنہوں نے بنوامیہ کی نسل پرست اور ظالم و مستکبر حکومت کے قلع قمع کے لئے زمین ہموار کی، بالآخر بنوعباس کی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

بنوامیہ کے خلاف بنوعباس کی تحریک امام حسین علیہ السلام کے نام اور اُن کی مظلومیت کے نام سے شروع کی گئی، آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو مشاہدہ کریں گے کہ جب بنوامیہ کے مبلغین

عالم اسلام کے گوشہ و کنار میں گئے تو اُنہوں نے حسین ابن علی علیہما السلام کے خون، اُن کی مظلومیت و شہادت، فرزند پیغمبرؐ کے خون کے انتقام اور جگر گوشہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سفا کانہ قتل کو بطور حربہ استعمال کیا تا کہ عوام میں اپنی تبلیغ و پیغام کو مؤثر بنا سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے اُن کی بات قبول کی۔ اِس کام کے لئے بنو عباس نے (نفسیاتی جنگ لڑی اور) پانچ سو سال تک اپنے رسمی لباس اور پرچم کا رنگ سیاہ قرار دیا، اُنہوں نے کالے رنگ کے لباس کو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کا رسمی لباس قرار دیا؛ بنو عباس اُس وقت یہ نعرہ لگاتے تھے کہ

"هَذَا حِدَادُ آلِ مُحَمَّدٍ"

یہ آل محمد علیہم السلام کی عزاداری کا لباس ہے،

بنو عباس نے اپنی تحریک اِس طرح شروع کی اور ایک بڑی تبدیلی کا باعث بنے۔ البتہ یہ لوگ خود منحرف ہو گئے اور بعد میں خود ہی بنو امیہ کے کاموں کو آگے بڑھانے لگے، یہ سب کربلا کے اثرات اور نتائج ہیں اور پوری تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ جو کچھ ہمارے زمانے میں وقوع پذیر ہوا وہ اِن سب سے زیادہ تھا، ہمارے زمانے میں ظلم و کفر پورے عالم پر مسلّط ہے اور قانون کی خلاف ورزی، عدل و انصاف کی پائمالی اور ظلم و ستم ایک قانون کی شکل میں بین الاقوامی سطح پر رائج ہے۔

معرفت کربلا

تعلیمات اسلامی کی اوج و بلندی اسلامی تعلیمات اور اقدار کا بہترین خزانہ یہاں ہے اور اِن اقدار و تعلیمات کی اُوج و بلندی، معرفت کربلا ہے لہٰذا اِس کی قدر کرنی چاہیے اور ہماری خواہش ہے کہ ہم اِن تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ میرے دوستو! اور اے حسین ابن

علی علیہا السلام پر ایمان رکھنے والو! یہ امام حسین علیہ السلام ہی ہیں جو دنیا کو نجات دے سکتے ہیں، صرف شرط یہ ہے کہ ہم کربلا کے چہرے اور اُس کی تعلیمات کو تحریف سے مسخ نہ کریں۔ آپ اِس بات کی ہرگز اجازت نہ دیں کہ تحریفی مفاہیم، خرافات اور بے منطق کام، لوگوں کے چشم و قلب کو سید الشہدا علیہ السلام کے چہرہ پُرنور سے دور کردیں؛ ہمیں اِن تحریفات اور خرافات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

میری مراد صرف دو جملے ہیں؛ ایک یہ کہ خود واقعہ کربلا اور سید الشہدا علیہ السلام کی تحریک: منبر پر فضائل و مصائب بیان ہونے کی شکل میں اُسی قدیم و روایتی طور پر باقی رہے یعنی شب عاشورا اور صبح و روز عاشورا کے واقعات کو بیان کیا جائے۔ عام نوعیت کے حادثات و واقعات حتیٰ بڑے بڑے واقعات، زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تاثیر کھو بیٹھے ہیں لیکن واقعہ کربلا اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اِسی منبر کی برکت سے آج تک باقی ہے، البتہ کربلا کے واقعات کو مستند طور پر بیان کرنا چاہیے۔ جیسا کہ مقاتل کی کتابوں مثلاً ابن طاؤس کے مقتل "لہوف" اور شیخ مفید کی کتاب "ارشاد" میں بیان کیا گیا ہے، نہ کہ اپنی طرف سے جعلی، من گھڑت اور عقل و منطق سے دور (اور اہل بیت علیہم السلام کی شان و منزلت کو کم کرنے والی) باتوں کے ذریعہ سے۔ مجلس اور حدیث و خطابت کو حقیقی معنیٰ میں حدیث [1] و خطابت ہونا چاہیے۔ خطابت، نوحہ خوانی، سلام و مرثیہ خوانی، ذکر مصائب اور ماتم زنی کے وقت کربلا کے واقعات اور سید الشہدا علیہ السلام کے ہدف کو بیان کرنا چاہیے۔

امام حسین علیہ السلام کے اہداف کا بیان وہ مطالب جو خود امام حسین علیہ السلام کے کلمات میں موجود ہیں:

"ما خَرَجتُ اَشِرًا وَلَا بَطِراً وَلَا ظَالِماً وَلَا مُفسِدًا بَل اِنَّمَا خَرَجتُ

---

[1] حدیث سے مراد نئی بات؛ یعنی مراد یہ ہے کہ حدیث اور خطابت میں تعلیمات قرآن و اہل بیت علیہم السلام کے نئے علمی مطالب، گوشوں، زاویوں اور نئے پہلوؤں کو سامعین کے سامنے بیان کرنا چاہیے، جو اُن کی دینی معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ اُن کے ایمان و یقین کی پختگی کا سبب بنے۔

لِطَلَبِ الاِصلَاحِ فِی اُمَّةِ جَدّی"،

یا یہ جو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"اَیُّها النَّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللهِ (صَلَّی الله عَلَیه وآلِه) قَالَ: مَن رَآی سُلطاناً جَآئِرًا مُستَحِلًّا لِحَرامِ اللهِ نَاکِثًا لِعَهدِ اللهِ، مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ یَعمَلُ فِی عِبَادِ اللهِ بِالاِثمِ وَالعُدوَانِ ثُمَّ لَم یُغیِّر بِقَولٍ وَلَا فِعلٍ کَانَ حَقًّا عَلَی اللهِ اَن یَدخُلَهُ مَدخَلَهُ"۔ [۱]

آپ کا یہ حدیث نقل فرمانا خود ایک درس ہے یا یہ کہ آپؑ نے یہ فرمایا:

"مَنْ کَانَ بَاذِلًا فِینَا مُهْجَتَهُ وَ مُوَطِّناً عَلَی لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهُ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا"۔ [۲]

یہاں امام علیہ السلام خدا سے ملاقات کی گفتگو کر رہے ہیں اور آپ کا ہدف، وہی خلقتِ بشر کا ہدف ہے یعنی ملاقاتِ خدا۔

"یَآاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ"۔ [۳]

"اے انسان! تجھے اپنے پرودگار کی طرف سختیوں کے ساتھ سفر کرنا ہے اُس کے بعد تو اُس سے ملاقات کرے گا"۔

اِن تمام زحمتوں اور سختیوں کا ہدف خدا سے ملاقات (فَمُلَاقِیْهِ) ہے۔ جو بھی ملاقات خدا کے لئے تیار ہے اور اُس نے لقاء اللہ کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کر لیا ہے۔

"فَلیَرحَل مَعَنَا"

"تو اُسے چاہیے کہ وہ ہمارے ساتھ چلے"

---

[۱] درسوگ امیر آزادی (ترجمہ مثیر الاحزان)/30/4۔ دگرگونی مطلوب وخداپسندانہ..... ص:29

[۲] اللہوف علی قتلی الطفوف/ترجمہ فہری/النص/61/المسلک الاول فی الامور المتقدمۃ علی القتال

[۳] سورۂ انشقاق:۶

اُسے حسین ابن علی علیہما السلام کے ساتھ قدم بقدم ہونا چاہیے اور ایسا شخص گھر میں نہیں بیٹھ سکتا۔ اِن حالات میں دنیا اور اُس کی لذتوں سے لطف اندوز نہیں ہوا جا سکتا اور نہ ہی راہ حسین ابن علی علیہما السلام سے غافل ہوا جا سکتا ہے لہٰذا ہمیں ہر صورت میں امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ ہونا پڑے گا۔ امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھ ساتھ یہ قدم اٹھانا اور اُن کے ہمراہ ہونا دراصل ہمارے اپنے اندر کی دنیا یعنی نفس اور تہذیب نفس سے شروع ہوتا ہے اور اِس کا دائرہ معاشرے اور دنیا تک پھیل جاتا ہے لہٰذا اِن تمام باتوں کو بیان کرنا چاہیے۔ یہ سب سید الشہدا علیہ السلام کے اہداف اور حسینی تحریک کا خلاصہ ہے۔ [1]

فداکاری اور بصیرت، دفاع دین کے لازمی اصول

کربلا اپنے دامن میں بہت سے پیغاموں اور درسوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ کربلا کا درس یہ ہے کہ دین کی حفاظت کے لئے فداکاری سے کام لینا چاہیے اور راہ قرآن میں کسی چیز کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ کربلا ہمیں درس دیتی ہے کہ حق و باطل کے میدانِ نبرد میں سب کے سب، چھوٹے بڑے، مرد و زن، پیر و جوان، باشرف و حقیر، امام اور رعایا سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں اور یہ جان لیں کہ دشمن اپنی تمام تر ظاہری طاقت و اسلحے کے باوجود اندر سے بہت کمزور ہے۔ جیسا کہ بنو امیہ کے محاذ نے اسیرانِ کربلا کے قافلے کے ہاتھوں کوفہ، شام اور مدینے میں نقصان اٹھایا اور سفیانی محاذ کی مانند شکست و نابودی اُس کا مقدر بنی۔

کربلا ہمیں درس دیتی ہے کہ دفاعِ دین کے میدان میں انسان کے لئے سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز "بصیرت" ہے۔ بے بصیرت افراد دھوکہ و فریب کا شکار ہو کر باطل طاقتوں کا حصہ بن جاتے ہیں اور اُنہیں خود بھی اِس بات کا شعور نہیں ہوتا؛ جیسا کہ ابن زیاد کے

---

[1] آمد محرم پر علما، مبلغین اور نوحہ خواں حضرات سے خطاب ۳:۳:۱۳۷٤

ساتھ بہت سے ایسے افراد تھے کہ جو فاسق وفاجر نہیں تھے لیکن وہ بصیرت سے خالی تھے۔ یہ سب کربلا کے درس ہیں؛ البتہ یہی تمام درس کافی ہیں کہ ایک قوم کو ذلت کی پستیوں سے نکال کر عزت کی بلندیوں تک پہنچا دیں۔ اِن دروس میں اتنی قدرت ہے کہ یہ کفر واستکبار کو شکست سے دوچار کر سکتے ہیں کیونکہ یہ سب تعمیر زندگی کے درس ہیں۔ [۱]

حسینی ثبات قدم اور استقامت

سید الشہدا علیہ السلام کے ثبات قدم اور اُن کی استقامت کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے اِس بات کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ یزید اور اُس کی ظالم وجابر حکومت کے سامنے ہرگز تسلیم نہیں ہوں گے۔ امام حسین علیہ السلام کا مقابلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے کہ ایک فاسق وفاجر نظام حکومت کے مقابل اپنے سر کو ہرگز خم نہ کیا جائے کہ جس نے دین کو بالکل تبدیل کر دیا تھا۔

امام علیہ السلام نے مدینے سے اِسی نیت وقصد کے ساتھ حرکت کی تھی؛ مکہ پہنچنے کے بعد جب آپ نے اِس بات کا احساس کیا کہ کچھ یار ومددگار آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں تو آپ علیہ السلام نے اپنے اِس قصد ونیت کے ساتھ ساتھ قیام کو بھی ہمراہ کر لیا۔ اگر آپ علیہ السلام کو یہ یار واصحاب نہ بھی ملتے تب بھی آپ علیہ السلام کی تحریک کا اصل مقصد ایک ایسی حکومت کے خلاف اعتراض کرنا اور اُس سے مقابلہ تھا کہ جو امام علیہ السلام کے نزدیک اسلامی اصولوں کے مطابق ناقابل تحمل اور ناقابل قبول تھی۔

سید الشہدا علیہ السلام کا سب سے پہلا اقدام یہ تھا کہ آپ اِس حکومت کے سامنے کھڑے ہو گئے؛ اِس قیام کے بعد امام حسین علیہ السلام ایک کے بعد دوسری مشکلات کا سامنا کرنے لگے، چنانچہ آپ علیہ السلام کو ناگزیر طور پر مکہ سے نکلنا پڑا اور اِس کے بعد کربلا میں آپ کا محاصرہ کر لیا

---

[۱] کمانڈروں اور مقاومت فورس کے ماتمی دستوں سے خطاب ۲۲:٤:۱۳۷۱

گیا۔ اِس کے بعد کربلا کا وہ دلخراش واقعہ پیش آیا کہ جس میں امام حسین علیہ السلام کو مصائب نے سب سے زیادہ نشانہ بنایا۔

”شرعی عذر“ راہ کی رکاوٹ

اُن من جملہ چیزوں میں سے جو انسان کو عظیم اہداف تک رسائی سے روک دیتے ہیں، ایک شرعی عذر ہے۔ انسان کو چاہیے کہ شرعی واجبات اور ذمہ داریوں کو انجام دے، لیکن جب ایک کام میں ایک بہت بڑا احتمال یا اعتراض وارد ہو جائے مثلاً اِس کام کی انجام دہی میں بہت سے افراد قتل کر دیئے جائیں گے تو اِن حالات میں انسان یہ سوچتا ہے کہ اُس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اِس لئے کہ درمیان میں سینکڑوں بے گناہ افراد کی جانوں کا معاملہ ہے۔

آپ ملاحظہ کیجئے کہ سید الشہدا علیہ السلام کے سامنے بھی ایسے بہت سے شرعی عُذر ایک ایک کر کے ظاہر ہوتے رہے کہ جو ایک سطحی نگاہ رکھنے والے انسان کو اُس کے راستے سے ہٹانے کے لئے کافی تھے۔

سب سے پہلا **شرعی عذر**، کوفہ کے لوگوں کا پلٹ جانا اور حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کا قتل تھا۔ یہاں امام حسین علیہ السلام کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اب شرعی عذر آ گیا ہے اور جن لوگوں نے خود دعوت دی تھی اُنہوں نے خود ہی اپنا رُخ موڑ لیا لہٰذا اب کوئی کام واجب نہیں اور ذمہ داری ساقط ہو گئی ہے۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ یزید کی بیعت نہ کریں لیکن اب حالات کا رُخ کچھ اور ہے اور اِن اوضاع و احوال میں یہ کام انجام نہیں دیا جا سکتا اور لوگ بھی اِس چیز کو برداشت نہیں کر سکتے، چنانچہ اب ہماری ذمہ داری ساقط ہے اور ہمارے پاس اب یزید کی بیعت کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں۔

دوسرا **شرعی عذر** خود واقعہ کربلا ہے؛ اِس مقام پر بھی سید الشہدا علیہ السلام ایک مسئلے کے

روبرو ہونے کی بنا پر جذباتی انداز سے اس مسئلے کو حل کر سکتے تھے اور یہ کہتے کہ اِن خواتین اور بچوں میں اِس تپتے ہوئے صحرا کی گرمی اور سورج کی تمازت برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے، لہٰذا اب اِن حالات میں ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے اور اُنہوں نے جس چیز کو ابھی تک قبول نہیں کیا تھا اِن حالات اور عذر شرعی کی بنا پر قبول کر لیتے۔

تیسرا عذر شرعی اُس وقت سامنے آیا کہ جب خود واقعہ کربلا میں روز عاشورا کا سورج طلوع ہوا اور دشمن نے حملہ کرنا شروع کیا تو اِس جنگ میں امام حسین علیہ السلام کے بہت سے اصحاب شہید ہو گئے۔ اِس مقام پر بھی بہت سی مشکلات نے امام حسین علیہ السلام کو آ گھیرا تو آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اب حالات نے رُخ موڑ لیا ہے اور اب اِس مقابلے کو جاری نہیں رکھا جا سکتا لہٰذا اب عقب نشینی کرنی چاہیے۔

چوتھا عذر شرعی اُس وقت پیش آیا کہ اُس وقت کہ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ علیہ السلام شہید کر دیئے جائیں گے اور آپؑ کی شہادت کے بعد آل رسولؐ اور آل علیؑ کو نامحرموں کے درمیان قیدی بنا کر صحرائے کربلا میں تنہا رہنا پڑے گا۔ یہاں عزت و ناموس کا مسئلہ پیش تھا لہٰذا سید الشہدا علیہ السلام یہاں بھی ایک غیرت مند انسان کی طرح یہ کہہ سکتے تھے کہ اب عزت و ناموس کا مسئلہ درپیش ہے لہٰذا اب تو ذمہ داری بالکل ہی ساقط ہے اگر ہم اب بھی اِسی مقابلے کی راہ پر قدم اٹھائیں اور قتل ہو جائیں تو نتیجے میں خاندان نبوت اور آل علی کی خواتین اور بیٹیاں اور عالم اسلام کی پاکیزہ ترین ہستیاں ایسے دشمنوں کے ہاتھوں قیدی بن جائیں گی کہ جو عزت و شرف اور ناموس کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہیں لہٰذا حالات میں ذمہ داری ساقط ہے۔

محترم بھائیو اور بہنو! توجہ کیجئے، یہ بہت ہی اہم مطلب ہے لہٰذا اِس نظر و زاویے سے واقعۂ کربلا میں بہت سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیے کہ اگر امام حسین علیہ السلام شہادتِ حضرت علی اصغر علیہ السلام، بچوں کی تشنگی، جوانان بنی ہاشم کے قتل، خاندان رسولؐ کی خواتین عصمت و طہارت کی اسیری جیسے دیگر تلخ اور دشوار حالات و مصائب کے مقابلے میں ایک معمولی دیندار انسان کی

حیثیت سے بھی نگاہ کرتے تو اپنے عظیم ہدف اور پیغام کو فراموش کردیتے؛ وہ کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کی شہادت اور اُس کے بعد رُونما ہونے حالات سے لے کر روزِ عاشورا کے مختلف حوادث تک قدم قدم پر پیچھے ہٹ سکتے تھے اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ اب ہماری کوئی شرعی ذمہ داری نہیں ہے، بس اب ہمارے پاس یزید کی بیعت کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ "اَلضَّرُورَاتُ تُبِیحُ المَعذُورَاتِ"، وقت اور ضرورت ہر چیز کو اپنے لئے مباح اور جائز بنا لیتے ہیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ یہ ہے امام حسین علیہ السلام کا راہ خدا میں ثباتِ قدم اور استقامت!

شرعی عذر سے مقابلے میں استقامت کی ضرورت!

استقامت کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان ہر جگہ مشکلات و سختیوں کو برداشت کرے اور صبر سے کام لے۔ عظیم اور بڑے انسانوں کے لئے مشکلات کو تحمل کرنا اُن چیزوں کی نسبت آسان ہے جو شرعی، عرفی اور عقلی اصول، قوانین کی روشنی میں ممکن ہے کہ مصلحت کے خلاف نظر آئیں لہٰذا ایسے امور کو تحمل اور برداشت کرنا عام نوعیت کی مشکلات اور سختیوں پر تحمل سے زیادہ دشوار اور مشکل ہے۔

ایک وقت ایک انسان سے کہا جاتا ہے کہ اِس راہ پر قدم نہ اٹھاؤ ورنہ تم کو شکنجہ کیا جائے اور تم کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا؛ وہ مضبوط ارادے کا مالک انسان یہ کہتا ہے کہ مجھے مختلف قسم کے شکنجوں کا سامنا کرنے پڑے گا تو اِس میں کیا بات ہے؟! اپنے سفر کو جاری رکھوں گا یا ایک آدمی سے کہا جاتا ہے کہ یہ کام نہ کرو، ممکن ہے کہ اس کام کی انجام دہی کے نتیجے میں تم قتل کردیئے جاؤ۔ مضبوط عزم و ارادے والا یہ انسان کہتا ہے کہ قتل کردیا جاؤں تو کردیا جاؤں، اِس میں کیا خاص بات ہے؟ میں اپنے ہدف کی خاطر موت کو بھی خوشی خوشی گلے لگالوں گا لہٰذا میں اپنے سفر کو

جاری رکھوں گا۔

ایک وقت انسان سے قتل ہونے، شکنجہ ہونے اور مصائب و مشکلات کا سامنا کرنے کی بات نہیں کی جاتی بلکہ اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ کام انجام نہ دو کیونکہ ممکن ہے کہ تمہارے اِس فعل کی وجہ سے دسیوں لوگوں کا خون بہایا جائے، یہاں تمہاری اپنی ذات کا مسئلہ نہیں بلکہ دوسروں کی جانوں کا معاملہ درپیش ہے چنانچہ تم نہ جاؤ، ممکن ہے کہ تمہارے اِس فعل کے نتیجے میں بہت سی خواتین، مرد اور بچے سختی اور پریشانیوں کا شکار ہو جائیں۔

یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں اُن افراد کے پاؤں لڑکھڑانے لگتے ہیں کہ جن کے لئے اپنے مقصد کے حصول کی راہ میں قتل ہونا کوئی اہم بات نہیں ہے۔ لہٰذا اِس مقام پر کسی کے پاؤں نہیں لڑکھڑاتے تو اُسے سب سے پہلے مرحلے میں انتہائی اعلیٰ درجے کی بصیرت کا مالک ہونا چاہیے اور وہ یہ سمجھے کہ وہ کیا بڑا کام انجام دے رہا ہے۔ دوسرے مرحلے میں اُسے انتہائی قدرت نفس کا مالک ہونا چاہیے تا کہ اُس کا اندرونی خوف و ضُعف اُس کے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے۔ یہ وہ دو خصوصیات ہیں کہ جنہیں امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

یہی وجہ ہے کہ واقعہ کربلا ایک تابناک اور روشن خورشید کی مانند پوری تاریخ پر جگمگا رہا ہے، یہ خورشید آج بھی اپنی کرنیں بکھیر رہا ہے اور تا قیامت اسی طرح نور افشانی کرتا رہے گا۔

کربلا اور عبرتیں

کربلا، جائے عبرت

کربلا درس وسبق لینے کے علاوہ ایک جائے عبرت بھی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اِس واقعہ کوغور سے دیکھے تاکہ وہ عبرت حاصل کرسکے۔

کربلا سے عبرت لینے کا کیا مطلب ہے؟

یعنی تاریخ کا قاری اپنے آپ کا اُن حالات اور نشیب وفراز سے موازنہ کرے تاکہ وہ دیکھے کس حال ووضع میں ہے؟

کون سا امر اُس کے لئے خطرے کا باعث ہے؟

اور کس امر کی انجام دہی اُس کے لئے لازمی وضروری ہے؟

اِسے عبرت لینا کہتے ہیں۔ یعنی آپ ایک راستے سے گزر رہے ہیں تو آپ نے ایک گاڑی کو دیکھا کہ جو اُلٹ گئی ہے یا اُس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے، وہ نقصان سے دوچار ہوئی ہے اور نتیجے میں اُس کے مسافر ہلاک ہوگئے ہیں۔ آپ وہاں رُک کر نگاہ کرتے ہیں، اِس لئے کہ اِس حادثے سے عبرت لیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ تیز رفتاری اور غیر محتاط ڈرائیونگ کا انجام یہ حادثہ ہوتا ہے۔ یہ بھی درس وسبق لینا ہے لیکن یہ درس از راہ عبرت ہے لہٰذا اِس جہت سے واقعہ

کربلا میں غوروفکر کرنا چاہیے۔ [1]

پہلی عبرت: مسلمانوں کے ہاتھوں نواسہ رسولؐ کی شہادت!

واقعہ کربلا میں پہلی عبرت جو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اسلامی معاشرے میں وہ کون سے حالات وقوع پذیر ہوئے کہ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ امام حسین علیہ السلام جیسی شخصیت، اسلامی معاشرے کی نجات کے لئے ایسی فداکاری کی زندہ مثال قائم کرے۔ اگر ایسا ہوتا کہ امام حسین علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ایک ہزار سال بعد اسلامی ممالک میں اسلام کی مخالف و معاند اقوام کے اصلاح و تربیت کے لئے ایسی فداکاری کرتے تو یہ ایک الگ بات ہے لیکن یہاں امام حسین علیہ السلام وحی کے مرکز یعنی مکہ و مدینہ جیسے عظیم اسلامی شہروں میں انقطاعِ وحی کہ پچاس سال بعد ایسے اوضاع و حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ اُن کی اصلاح کے لئے اپنی جان کو فدا کرنے اور قربانی دینے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں پاتے! مگر وہ کون سے حالات تھے کہ جن کے لئے امام حسین علیہ السلام نے یہ احساس کیا کہ فقط اپنی جان کی قربانی ہی کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرنا ممکن ہے ورنہ سمجھو کہ پانی سر سے گزر گیا! عبرت کا مقام یہ ہے۔

ایسا اسلامی معاشرہ کہ جس کے رہبر اور پیغمبر مکہ و مدینہ میں بیٹھ کر اسلام کے پرچم کو

---

[1] وہ معاشرہ جس میں امام حسین علیہ السلام پروان چڑھے اور سب نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دیکھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام سے کتنا پیار کرتے تھے، حضرت علی و حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی کیا کیا فضیلتیں ہیں! ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک یہ کیا ہو گیا کہ یہی امت، حسین کو قتل کرنے کربلا آ گئی۔ وہی لوگ جو کل تک امام حسین علیہ السلام کی عظمتوں کے گن گاتے تھے آج اُن کے خون کے پیاسے بن گئے ہیں؟! ۵۰ سال میں یہ کون سا سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی انقلاب آیا کہ حالات بالکل بدل گئے اور اسلام و قرآن پر ایمان رکھنے والے لوگ، فرزند رسولؐ کے قاتل بن گئے؟! لہٰذا واقعہ کربلا کو سیاسی اور ثقافتی حالات کے پس منظر میں دیکھنا چاہیئے کہ جو ہم سب کیلئے درس عبرت ہو۔

مسلمانوں کے ہاتھوں میں دیتے تھے اور وہ جزیرۃ العرب کے کونے کونے میں جاتے اور شام و ایران و روم اُن کے وجود سے کپکپاتے تھے اور انہیں دیکھتے ہی فرار کر جانے میں اپنی غنیمت سمجھتے تھے، یوں مسلمان فاتحانہ انداز میں واپس لوٹتے تھے؛ بالکل جنگ تبوک کی مانند۔ یہی اسلامی معاشرہ تھا کہ جس کی مسجدوں اور کوچہ و بازار میں تلاوت قرآن ہو رہی تھی۔

قرآن کی صدائیں بلند ہوتی تھی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس خود اپنی تاثیر گزار صدا اور لحن سے آیات الٰہی لوگوں کے لئے تلاوت کرتے تھے اور عوام کو ہدایت کے ذریعہ انہیں بہت تیزی سے راہ ہدایت پر گامزن کرتے تھے۔

اب پچاس سال بعد کیا ہو گیا کہ یہی معاشرہ اور یہی شہر، اسلام سے اتنے دور ہو گئے کہ حسین ابن علی علیہما السلام جیسی ہستی یہ دیکھتی ہے کہ اِس معاشرے کی اصلاح و معالجہ، سوائے قربانی کے کسی اور چیز سے ممکن نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ قربانی پوری تاریخ میں اپنی مثل و نظیر نہیں رکھتی ہے۔ آخر کیا وجوہات تھیں اور کیا علل و اسباب تھے کہ جو اِن حالات کا پیش خیمہ بنے؟ مقام عبرت یہ ہے۔

دوسری عبرت: اسلامی معاشرے کی آفت و بیماری

موجودہ زمانے میں ہمیں چاہیے کہ اِس جہت و زاویے سے غور و فکر کریں۔ آج ہم بھی ایک اسلامی معاشرہ رکھتے ہیں، ہمیں تحقیق کرنی چاہیے کہ اُس اسلامی معاشرے کو کون سی آفت و بلا نے آ گھیرا تھا کہ جس کے نتیجے میں یزید اُس کا حاکم بن بیٹھا تھا (اور لوگ اُسے دیکھتے اور جانتے بوجھتے ہوئے بھی خاموش تھے)؟ آخر کیا ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بیس سال بعد اُسی شہر میں کہ جہاں امیر المومنین علیہ السلام حکومت کرتے تھے اور جو آپ کی حکومت کا مرکز تھا، اولاد علیؑ کے سروں کو نیزوں پر بلند کر کے پھرایا جاتا ہے (اور آل نبیؐ کی خواتین کو قیدی بنا کر اُسی شہر

کے بازاروں اوردرباروں میں لایا جاتا ہے)؟!

کوفہ کوئی دین سے بیگانہ شہر نہیں تھا، یہ کوفہ وہی شہر ہے کہ جہاں کے بازاروں میں امیر المومنین علیہ السلام اپنے دورِ حکومت میں تازیانہ اٹھا کر چلتے تھے اور مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتے تھے؛ رات کی تاریکی میں غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرتے، پردۂ شب میں مسجدِ کوفہ میں علی کی مناجات اور صدائے تلاوت قرآن بلند ہوتی تھی اور آپؑ دن کی روشنی میں ایک مقتدر قاضی کی مانند حکومت کی باگ دوڑ کو سنبھالتے تھے۔ آج اکسٹھ ہجری میں یہ وہی کوفہ ہے کہ جہاں آل علیؑ کی خواتین کو قیدی بنا کر بازاروں میں پھرایا جارہاہے!! اِن بیس سالوں میں یہ کیا ہوا تھا کہ حالات یہاں تک پہنچ گئے تھے!

واقعہ کربلا کے ظاہری عوامل

پہلا عامل: معاشرتی سطح پر پھیلنے والی گمراہی اور انحراف

اگر ایک معاشرے میں ایک بیماری موجود ہو تو وہ بیماری اُس معاشرے کو کہ جس کے حاکم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام جیسی ہستیاں ہیں، صرف چند دہائیوں میں اُن خاص حالات سے دوچار کردے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بیماری بہت ہی خطرناک ہے، لہٰذا ہمیں بھی اِس بیماری سے ڈرنا اور خوف کھانا چاہیے۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ جو خود کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگردوں میں سے ایک ادنیٰ شاگرد سمجھتے تھے، اُن کے لئے یہ بات باعثِ فخر تھی کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کا ادراک کریں، اُن پر عمل کریں اور اُن کی تبلیغ کریں۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کجا اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کجا!

اُس معاشرے کے مؤسس و بانی خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے کہ جو آپؐ کے وصال کے چند سال بعد ہی اِس بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ہمارے معاشرے کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ کہیں اُس بیماری میں مبتلا نہ ہو جائے، یہ ہے عبرت کا مقام!

ہمیں چاہیے کہ اُس بیماری کو پہچانیں (کہ اُس کی کیا علامات ہیں، اُس کے نتائج کیا ہیں اور بیمار بدن آخر میں کس حالت سے دوچار ہوتا ہے) اور اِس سے دوری و اجتناب کریں۔

میری نظر میں کربلا کا یہ پیغام، کربلا کے دوسرے پیغاموں اور دروس سے زیادہ آج ہمارے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ہمیں اُن علل واسباب کو تلاش کرنا چاہیے کہ جس کی وجہ سے اُس معاشرے پر ایسی بلا نازل ہوئی تھی کہ دنیائے اسلام کی عظیم ترین شخصیت اور خلیفہ مسلمین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فرزند حسین ابن علی علیہما السلام کے بریدہ سر کو اُسی شہر میں کہ جہاں اُن کے والد حکومت کرتے تھے، پھرایا جائے اور کوئی بھی صدائے احتجاج بلند نہ کرے! اُسی شہر سے کچھ افراد کربلا جائیں اور نواسہ رسولؐ، اُس کے اہل بیت علیہم السلام اور اصحاب کو تشنہ لب شہید کردیں اور حرم امیرالمومنین علیہ السلام کو قیدی بنائیں!

اِس موضوع میں بہت زیادہ گفتگو کی گنجائش موجود ہے۔ میں اِس سوال کے جواب میں صرف ایک آیت قرآن کی تلاوت کروں گا۔ قرآن نے اِس جواب کو اِس طرح بیان کیا ہے اور اُس بیماری کو مسلمانوں کے لئے اِس انداز سے پیش کیا ہے اور وہ آیت یہ ہے:

"فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝٥٩" [1]

"پھر ان کے بعد کچھ وہ ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی پس وہ عنقریب گمراہی (کے انجام) سے دوچار ہوں گے۔"

گمراہی اور انحراف کی اصل وجہ

گمراہی اور انحراف کی اصل وجہ ذکر خدا اور معنویت سے دوری اور خواہشات کی پیروی ہے۔

---

[1] سورۂ مریم: ۵۹

اِس گمراہی اور عمومی سطح کے انحراف کے دو عامل اور عنصر ہیں؛

ایک ذکرِ خدا سے دوری کہ جس کا مظہر نماز ہے، یعنی خدا اور معنویت کو فراموش کرنا، معنویت وروحانیت کوزندگی سے نکال دینا، خدا کی طرف توجہ، ذکر، دعاوتوسل، خدا کی بارگاہ میں طلب وتضرّع وزاری، توکّل اور خدائی حساب کتاب کوزندگی سے باہرنکال پھینکنا۔

دوسرا عنصر "وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ" شہوت رانی کے پیچھے جانا، ہوا و ہوس اور خواہشات کی پیروی یا با الفاظ دیگر دنیاطلبی، مال وثروت کی جمع آوری کی فکر میں پڑنا اور لذاتِ دنیوی سے لُطف اندوز ہوکر خداو قیامت کو فراموش کر دینا اور اِن سب امور کو "اصل" جاننا اور ہدف ومقصد کوفراموش کردینا۔

دوسرا عامل: اصلی اور بنیادی درد

ہدف کے حصول کی تڑپ کا دل سے نکل جانا، یہ ہے اُس معاشرے کا بنیادی اور اصلی درد وتکلیف؛ ممکن ہے ہم بھی اِس درد و بیماری میں مبتلا ہوجائیں۔

اگر ہدف کے حصول کی لگن وتڑپ اسلامی معاشرے سے ختم ہوجائے یا ضعیف ہوجائے، اگر ہم میں سے ہر شخص کی فکر یہ ہو کہ وہ اپنا اُلّو سیدھا کرے، ہم دنیا کی دوڑ میں دوسروں سے کہیں پیچھے نہ رہ جائیں، دوسروں نے اپنی جیبوں کو بھرا ہے اور ہم بھی دونوں ہاتھ پھیلا پھیلا کر جمع کریں گے جب معاشرے کے افراد اپنے انفرادی مفادات کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دیں تو ظاہر سی بات ہے کہ اِس قسم کی تاویلات سے معاشرہ اجتماعی سطح پر اِس قسم کی بلاؤں سے دوچار ہوگا۔

اسلامی نظام، عمیق ایمانوں، بلند ہمتوں، آہنی عزموں، بلند و بالا اہداف کی رہائی کے لئے بامقصد شعاروں کو بیان کرنے اور اُنہیں اہمیت دینے اور زندہ رکھنے سے وجود میں آتا ہے،

اِنہی امور کے ذریعہ اُس کی حفاظت کی جاتی ہے اوروہ اِسی راہ کے ذریعہ ترقی وپیش رفت کرتا ہے۔ اِن شعاروں کوکم رنگ کرنے، اُنہیں کم اہمیت شمار کرنے، انقلاب و اسلام کے اصول و قوانین سے بے اعتنائی برتنے اورتمام اموراور چیزوں کو مادّیت کی نگاہ سے دیکھنے اورسمجھنے کے نتیجے میں معلوم ہے کہ معاشرہ ایسے مقام پر جاپہنچے گا کہ اُس کی اجتماعی صورتحال یہی ہوگی۔

اوائل اسلام میں بھی معاشرہ اِسی حالت سے دوچار تھا۔

تیسرا عامل: جب خلافت کے معیار ومیزان تبدیل ہوجائیں!

ایک وہ زمانہ تھا کہ جب مسلمانوں کے لئے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلام کی پیش رفت، ہر قیمت پر رضائے الٰہی کا حصول، اسلامی تعلیمات کا فروغ اورقرآن وقرآنی تعلیمات سے آشنائی ضروری و لازمی تھی۔حکومتی نظام اورتمام محکمے و ادارے، زہد وتقویٰ کے حصول میں کوشاں اوردنیاومافیہااورخواہشات نفسانی سے بے اعتنائی برتنے کےسائے میں پیش پیش تھے۔ اِنہی حالات میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام جیسی ہستی خلیفہ بنتی ہےاورحسین ابن علی علیہما السلام ایک ممتاز شخصیت کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ اِس لئے کہ اِن ہستیوں میں دوسروں سے زیادہ ہدایت وراہنمائی اورامامت وخلافت کے معیارات وجودرکھتے تھے۔

جب تقویٰ، دُنیا سے بے اعتنائی اورراہ خدا میں جہاد؛ امامت وخلافت کا معیار ہوں اورایسے افراد جو اِن صلاحیتوں کے مالک ہوں، حکومتی باگ ڈورسنبھالیں اور زمام کارکو اپنے ہاتھوں میں لیں تو معاشرہ، اسلامی معاشرہ ہوگا۔لیکن جب امامت وخلافت کےانتخاب کے معیار ہی تبدیل ہوجائیں اورسب سے زیادہ دنیا طلب،سب سے زیادہ شہوتوں اورخواہشات کا اسیر و غلام، شخصی منافع کوجمع کرنے کے لئے سب سے زیادہ عیّار و چالاک اورحیلہ گراور دوسروں کی نسبت صداقت وسچائی سے بیگانہ ونا آشنا فرد حکومت کی باگ ڈورسنبھالےتونتیجہ یہ ہوگا کہ عمرابن

سعد، شمر اور عبید اللہ ابن زیاد جیسے افراد زیادہ ہوں گے اور حسین ابن علی علیہما السلام جیسے افراد کو مقتل میں بے دردی سے قتل کر دیا جائے گا۔

تڑپ رکھنے والے افراد، معیاروں کو تبدیل نہ ہونے دیں

یہ دو جمع دو، چار کا قاعدہ ہے۔ لہٰذا دلوں میں تڑپ رکھنے والے افراد اِس بات کا موقع ہی نہ آنے دیں کہ معاشرے میں خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے معیار اور اقدار تبدیل ہوں۔ اگر انتخابِ خلیفہ کے لئے تقویٰ کا معیار معاشرے میں تبدیل کر دیا جائے تو ظاہر سی بات ہے کہ حسین ابن علی علیہما السلام جیسی با تقویٰ ہستی کا خون آسانی سے بہایا جا سکتا ہے۔ اگر امّت کی ہدایت کے لئے دنیاوی امور میں عیاری و مکاری، چاپلوسی، کوتاہی، ناانصافی، دروغ گوئی اور اسلامی اقدار سے بے اعتنائی، معیار بن جائے تو معلوم ہے کہ یزید جیسا شخص تخت سلطنت پر براجمان ہو جائے گا اور عبید اللہ ابن زیاد جیسا انسان، عراق کی شخصیتِ اوّل قرار پائے گا۔ اسلام کا کام ہی یہ تھا کہ (زمانہ جاہلیت کے) اِن معیاروں کو تبدیل کرے اور ہمارے اسلامی انقلاب کا بھی ایک مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی سطح پر معروف و رائج باطل، غلط اور مادّی معیاروں کے مقابل سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے اور اُنہیں تبدیل کر دے۔

آج کی دُنیا، کذب و دروغ، ظلم و ستم، شہوت پرستی اور معنوی اقدار پر مادی اقدار کو ترجیح دینے کی دُنیا ہے؛ یہ ہے آج کی دنیا اور اِس کی یہ روش صرف آج سے مخصوص نہیں ہے، دنیا میں صدیوں سے روحانیت رُو بہ زوال اور کمزور رہی ہے۔ اِس معنویت و روحانیت کو ختم کرنے کے لئے باقاعدہ کوششیں کی گئی ہیں؛ صاحبانِ قدرت و اقتدار، دولت پرستوں اور سرمایہ داروں نے مادی نظام کا ایک جال پوری دنیا میں پھیلایا ہے کہ جس کی سربراہی امریکہ جیسی بڑی طاقت کر رہی ہے۔ سب سے زیادہ جھوٹی، سب سے زیادہ مکّار، انسانی مقامات و درجات میں سب

سے زیادہ بے اعتنائی برتنے والی، انسانی حقوق کوسب سے زیادہ پامال کرنے والی اور دنیا کے انسانوں کے لئے سب سے زیادہ بے رحم حکومت اِس مادی نظام کا نظم ونسق سنبھالے ہوئے ہے اور اِس کے بعد دوسری طاقتیں اپنے اپنے درجات کے لحاظ سے اِس میں شریک ہیں؛ یہ ہے ہماری دنیا کی حالت۔ [1]

[1] کمانڈروں اور بسیج مقاومت فورس کے ماتمی دستوں سے خطاب ۲۲:٤:۱۳۷۱

واقعہ کربلا کے پس پردہ عوامل

کیا حالات پیش آئے تھے کہ کربلا کا واقعہ رونما ہوا؟

میں نے ایک مرتبہ عبرت ہائے کربلا کے عنوان پر کئی تقاریر کیں تھیں کہ جن میں کہا تھا کہ ہم اِس تاریخی حادثے سے سیکھے جانے والے دروس کے علاوہ عبرتیں بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ ”دروس“ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے جبکہ ”عبرتیں“ ہم سے یہ کہتی ہیں کہ کیا حادثہ پیش آیا ہے اور کون سے واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہے۔

کربلا سے حاصل کی جانے والی عبرتیں یہ ہیں کہ انسان غور وفکر کرے کہ وہ اسلامی معاشرہ کہ جس کی سربراہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی ایک غیر معمولی ہستی کے پاس تھی اور آپؐ نے دس سال تک انسانی توانائی وطاقت سے مافوق اپنی قدرت اور وحی الٰہی کے بحر بیکراں سے متصل ہوتے ہوئے اور بے مثل ونظیر اور بے انتہا حکمت کے ساتھ دس سال تک اُس معاشرے کی راہنمائی فرمائی۔

آپؐ کے کچھ عرصے (پچیس سال) بعد ہی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اُسی معاشرے پر حکومت کی اور مدینہ اور کوفہ کو بالترتیب اپنی حکومت کا مرکز قرار دیا۔ اُس وقت وہ کیا حادثہ وقوع پذیر ہوا تھا اور بیماری کا کون سا جرثومہ اُس معاشرے کے بدن میں سرایت کر گیا تھا کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے نصف صدی اور امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے

بیس سال بعد ہی اِسی معاشرے اور اِنہی لوگوں کے درمیان حسین ابن علی علیہما السلام جیسی عظیم المرتبت ہستی کو اُس دردناک طریقے سے شہید کردیا جاتا ہے؟!

آخر وہ کون سے علل واسباب تھے کہ جس کے باعث اتنا بڑا حادثہ رونما ہوا؟ یہ کوئی بے نام ونشان اور گمنام ہستی نہیں تھی بلکہ یہ اپنے بچپنے میں ایسا بچہ تھا کہ جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آغوش میں لیتے تھے اور اُس کے ساتھ منبر پر تشریف لے کر اصحاب اسے گفتگو فرماتے تھے۔

وہ ایک ایسا فرزند تھا کہ جس کے بارے میں خدا کے رسولؐ نے یہ فرمایا کہ

"حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ"

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں"۔

اور اِن پسر و پدر کے درمیان ایک مضبوط رشتہ اور رابطہ قائم تھا۔ یہ ایک ایسا فرزند تھا کہ جس کا شمار امیر المومنین علیہ السلام کے دورِ حکومت کی جنگ وصلح کے زمانوں میں حکومت کے بنیادی ارکان میں ہوتا تھا اور جو میدان سیاست میں وہ ایک روشن وتابناک خورشید کی مانند جگمگاتا تھا۔ اِس کے باوجود اُس اسلامی معاشرے کا حال یہ ہوجائے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معروف نواسہ اپنے عمل، تقویٰ، باعظمت شخصیت، عزت وآبرو [شہر مدینہ میں اپنے حلقہ درس کہ جس میں آپ کے چاہنے والے، اصحاب اور دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے شیعہ شرکت کرتے تھے] کے باوجود ایسے حالات میں گرفتار ہوجائے کہ جس کا نہایت بدترین طریقے سے محاصرہ کر کے اُسے پیاسا قتل کردیا جائے۔ نہ صرف یہ کہ اُسے قتل کرتے ہیں بلکہ اُس کے ساتھ تمام مردوں حتیٰ اُس کے شش ماہ شیرخوار بچے کو بھی قتل کردیتے ہیں اور صرف اِسی قتل وغارت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اُس کے بیوی بچوں اور دیگر خواتین کو جنگی قیدیوں کی مانند اسیر بنا کر شہر شہر گھماتے ہیں؛ آخر قصّہ کیا تھا اور کیا حالات رونما ہوئے تھے؟ یہ ہے مقام عبرت!

آپ ایسے معاشرے کا اُس نبوی معاشرے سے موازنہ کریں تاکہ آپ کو دونوں کا فرق معلوم ہوسکے۔ ہمارے معاشرے کے سربراہ اور حاکم، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو بلاشک وشبہ

ہمارے زمانے کی عظیم ترین شخصیت میں شمار ہوتے تھے لیکن امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کجا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کجا؟

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس وقت معاشرے میں ایک ایسی روح پھونکی تھی کہ اُن بزرگوار کی رحلت کے بعد بھی کئی دہائیوں تک پیغمبرؐ کا چلایا ہوا کارواں اپنے راستے پر گامزن رہا۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہونے والی فتوحات میں خود پیغمبرؐ کی ذات اقدس کے روحانی وجود کا اثر باقی نہیں تھا؛ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود ہی کی برکت تھی کہ جو آپؐ کی رحلت کے بعد بھی اسلامی معاشرے کو آگے بڑھا رہی تھی۔ گویا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس معاشرے کی فتوحات اور ہمارے معاشرے (اور انقلاب) میں تاثیر رکھتے تھے کہ جس کا نتیجہ اِس صورت میں نکلا ہے۔

میں ہمیشہ نوجوانوں، یونیورسٹی اور دینی مدارس کے طالب علموں اور دیگر افراد سے یہی کہتا ہوں کہ نہایت سنجیدگی سے تاریخ کا مطالعہ کریں، بہت توجہ سے اِس میں غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ کیا حادثہ رونما ہوا ہے!

"تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ"

"وہ ایک اُمّت تھی جو گزر گئی"۔

گذشتہ امتوں سے عبرت آموزی، قرآن ہی کی تعلیم اور درس کا حصہ ہے۔ اِس حادثے کے بنیادی اسباب، چند امور ہیں، مَیں اُن کا تجزیہ و تحلیل نہیں کرنا چاہتا بلکہ صرف اجمالی طور پر بیان کروں گا اور یہ محقق افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایک ایک جملے پر غور و فکر کریں۔

پہلا عامل: دنیا پرستی اور برائی و بے حسی کا رواج پانا

اِس تاریخی حادثے کا ایک اصلی سبب یہ ہے تھا کہ" دنیا پرستی اور برائی و بے حسی نے دینی غیرت اور ایمان کے احساسِ ذمہ داری کو چھین لیا تھا۔ یہ جو ہم اخلاقی، اجتماعی، اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی برائیوں سے مقابلے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اتنی تاکید کرتے ہیں تو اِس کی ایک اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تمام برائیاں معاشرے کو بے حس بنا دیتی ہیں۔ وہ شہر مدینہ جو پہلی اسلامی حکومت کا پہلا مرکز تھا، کچھ مدت بعد بہترین موسیقاروں، گانا گانے والوں اور معروف ترین رقاصاؤں کے مرکز میں تبدیل ہو گیا تھا اور جب دربار شام میں بہترین مغنّیوں اور گلوکاروں کو جمع کیا جاتا تو شہر مدینہ سے بہترین موسیقاروں اور خوبصورت آواز رکھنے والے مغنّیوں کو بلایا جاتا تھا!

یہ جسارت و گناہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے سو یا دوسو سال بعد انجام نہیں دیئے گئے بلکہ جگر گوشہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور نور چشم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے زمانے کے قریب حتی شہادت سے بھی قبل معاویہ کے زمانے میں انجام پائے۔

یہی وجہ ہے کہ مدینۃ الرسولؐ برائیوں اور گناہان کبیرہ کا مرکز بن گیا اور بڑی بڑی شخصیات، اصحاب اور تابعین کی اولاد حتی خاندان بنی ہاشم کے بعض نوجوان اِن برائیوں میں گرفتار ہو گئے!

اِس فاسد حکومت کے سرکردہ افراد یہ جانتے تھے کہ اُنہیں کیا کام کرنا ہے، اُنہیں مسلمانوں کے کن حساس اور کمزور نکات پر انگلی رکھنی ہے اور لوگوں کو حکومت اور اُس کی سیاست سے غافل رکھنے کے لئے کن چیزوں کی ترویج کرنی ہے۔ یہ بلا اور کیفیت صرف شہر مدینہ سے ہی مخصوص نہیں تھی بلکہ دوسرے شہر بھی اِسی قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔

برائیوں کی گندگی سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیں

دین کی پیروی، تقویٰ سے تمسک، پاکدامنی کی اہمیت اور معنویت کی قدر و قیمت کا اندازہ یہاں ہوتا ہے۔ یہ جو ہم بارہا موجودہ زمانے کے بہترین نوجوانوں کو تاکید کرتے ہیں کہ آپ برائیوں کی گندگی سے اپنا دامن بچائے رکھیں تو اِس کی وجہ یہی ہے۔ آج اِن نوجوانوں کی طرح کون ہے جو انقلابِ اسلامی کے اُصولوں اور اہداف کا دفاع کرنے والے ہیں؟

یہ بسیجی (ایران کی رضا کار فوج) واقعاً بہترین نوجوان ہیں کہ جو علم، دین اور جہاد میں سب سے آگے آگے ہیں، دنیا میں ایسے نوجوان آپ کو کہاں نظر آئیں گے؟ یہ کم نظیر ہیں اور دنیا میں اتنی کثیر تعداد میں آپ کو کہیں نہیں ملیں گے؛ بنابریں، برائیوں کے سیلاب اور اُس کی اونچی اونچی موجوں سے ہوشیار رہیں۔

آج الحمدللہ خداوند عالم نے اِس انقلاب کی قداست و پاکیزگی اور معنویت کو محفوظ بنایا ہوا ہے، ہمارے نوجوان پاک وطاہر ہیں لیکن وہ اِس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ زن، زر اور زمین، عیش پرستی اور دنیا کی لذتیں بہت خطرناک چیزیں ہیں کہ جو مضبوط دلوں اور مستحکم ارادے والے انسانوں کے پائے ثبات میں لرزش پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں لہٰذا اِن اموراور اِن کے وسوسوں کا مقابلہ کرنے کے لئے قیام کرنا چاہیے۔ وہ جہادِ اکبر کہ جس کی اتنی تاکید کی گئی ہے، یہی ہے؛ آپ نے جہادِ اصغر کو بطریق احسن انجام دیا ہے اور اب آپ اِس منزل پر آ پہنچے ہیں کہ جہادِ اکبر کو اچھی طرح انجام دے سکیں۔

الحمدللہ! آج ہمارے نوجوان، مومن، حزب اللّٰہی اور بہترین نوجوان ہیں لہٰذا اِس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔ دشمن چاہتا ہے کہ تمام مسلمان اقوام سے یہ نعمت چھین لے اور اُس کی خواہش ہے کہ مسلمان قومیں؛ عیاشی، ذلت و رسوائی اور غفلت کا شکار ہوجائیں، برائیوں اور گناہوں کا دریا اُنہیں اپنے اندر غرق کردے اور بیرونی طاقتیں اُن پر اپنا تسلط جمالیں جیسا کہ انقلاب سے

قبل ہمارے یہی حالات تھے اور آج بھی دنیا کے بہت سے ممالک میں یہی کچھ ہورہا ہے۔

دوسرا عامل: عالم اسلام کے مستقبل سے اہل حق کی بے اعتنائی

دوسرا عامل وسبب کہ جس کی وجہ سے یہ حالات پیش آئے اور جسے انسان ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی میں بھی مشاہدہ کرتا ہے، وہ یہ تھا کہ اہل حق نے [جو ولایت وتشیع کی بنیاد تصور کیے جاتے تھے] دنیائے اسلام کی سرنوشت ومستقبل سے بے اعتنائی برتی، اِس سے غافل ہوئے اور اِس مسئلے کی اہمیت کو دل ودماغ سے نکال دیا۔ بعض افراد نے کچھ دنوں کے لئے تھوڑی بہت بہادری اور جوش وخروش کا مظاہرہ کیا کہ جس پر حکام وقت نے سخت گیری سے کام لیا۔

مثلاً یزید کے دورحکومت میں مدینۃ النبیؐ پر حملہ ہوا، جس پر اہل مدینہ نے یزید کے خلاف آواز اٹھائی تو یزید نے اِن لوگوں کی سرکوبی کے لئے ایک ظالم شخص کو بھیجا کہ جس نے مدینہ میں قتل عام کیا، نتیجے میں اِن تمام افراد نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا اور ہر قسم کی مزاحمتی تحریک کو روک کر بگڑتے ہوئے اجتماعی مسائل سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ البتہ اِن افراد میں سب اہل مدینہ شامل نہیں ہیں بلکہ تھوڑے بہت ایسے افراد بھی تھے کہ جن کے درمیان خود اختلاف تھا۔

یزید کے خلاف مدینے میں اٹھنے والی تحریک میں اسلامی تعلیمات کے برخلاف عمل کیا گیا، یعنی نہ اُن میں اتحاد تھا، نہ اُن کے کام منظم تھے اور نہ ہی یہ گروہ اور طاقتیں آپس میں مکمل طور پر ایک دوسرے سے مربوط ومتصل تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن نے بے رحمی اور نہایت سختی کے ساتھ اِس تحریک کا سر کچل دیا اور پہلے ہی حملے میں اِن کی ہمتیں جواب دے گئیں اور اُنہوں نے عقب نشینی کرلی؛ یہ بہت اہم اور قابل توجہ نکتہ ہے۔

آپس میں مقابلہ کرنے اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے والی حق و باطل کی طاقتوں کی جد و جہد بہت واضح سی بات ہے، جس طرح حق، باطل کو ختم کرنا چاہتا ہے اُسی طرح باطل بھی حق کی نابودی کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ یہ حملے ہوتے رہتے ہیں اور قسمت کا فیصلہ اُس وقت ہوتا ہے کہ جب اِن طاقتوں میں سے کوئی ایک تھک جائے اور جو بھی پہلے کمزور پڑے گا تو شکست اُس کا مقدر بنے گی۔ [1]

---

[1] ۳ شعبان روز پاسدار کی مناسبت سے اندرون ملک نظم و نسق اور امن و امان برقرار کرنے والی نیروئے انتظامی اور سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی سے خطاب ۲۶:۲:۱۹۹۶

قیام کربلا کے اجتماعی پہلو

قیام امام حسین علیہ السلام کی خصوصیات

سید الشہد اعلیہ السلام کا بہایا گیا خونِ ناحق تاریخ میں ہمیشہ محفوظ ہے، چونکہ شہید یعنی وہ شخص جو اپنی جان کو خلوص کے طبق میں رکھ کر دین کے بلند ترین اہداف کے لئے پیش کرتا ہے اور ایک خاص قسم کی صداقت اور نورانیت کا حامل ہوتا ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا کاذب و مکار کیوں نہ ہو اور اپنی زبان و بیان سے خود کو حق کا کتنا ہی بڑا طرفدار بنا کر کیوں نہ پیش کرے لیکن جب اُس کے شخصی منافع خصوصاً جب اُس کی اور اُس کے عزیز ترین افراد کی جان خطرے میں پڑتی ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہوتا کہ اُنہیں قربان کرے۔ لیکن وہ شخص جو ایثار و فداکاری کے میدان میں قدم رکھتا ہے اور مخلصانہ طور پر اپنی تمام ہستی کو راہ خدا میں پیش کرتا ہے تو

"حَقٌّ عَلَى اللهِ"

اُس کا خدا پر حق ہے۔

یعنی خدا اپنے ذمہ لیتا ہے کہ اُسے اور اُس کی یاد کو زندہ رکھے۔

"وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ ط" [1]

---

[1] سورۂ بقرہ: ۱۵۴

"جو خدا کی راہ میں مارا جائے اُسے مردہ نہ کہو۔"

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ" [۱]

"جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کر دیے جائیں اُنہیں ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں"

شہید فی سبیل اللہ زندہ رہتے ہیں۔ اُن کے زندہ رہنے کا ایک پہلو یہی ہے کہ اُن کی نشانیاں اور قدموں کے نشان، راہِ حق سے کبھی نہیں مٹتے اور اُن کا بلند کیا ہوا پرچم کبھی نہیں جھکتا۔ ممکن ہے چند روز کے لئے ظلم وستم اور بڑی طاقتوں کی مداخلت کی وجہ سے اُن کی قربانی اور فداکاری کے رنگ کو پھیکا کر دیں لیکن خداوند عالم نے قانونِ طبیعت کو اِسی طرح قرار دیا ہے اور خدا کی سنت اور قانون یہ ہے کہ پاک و پاکیزہ اور صالح و مخلص افراد کا راستہ ہمیشہ باقی رہے۔ خلوص بہت ہی عجیب چیز ہے لہٰذا یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی، اُن کے اور اُن کے اصحابِ باوفا کے بہائے گئے خونِ ناحق کی برکت سے آج دنیا میں دین باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گا۔

میں نے امام حسین علیہ السلام کے تمام ارشادات میں سے [کہ جن میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی تربیتی نکتہ موجود ہے اور میں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ لوگوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے امام علیہ السلام کے ارشادات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے] اِس جملے کو اپنی آج کی اِس محفل کے لئے زینت قرار دیا ہے کہ جسے آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔ امام علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعلَمُ اَنَّهُ لَم يَكُن مِنَّا تَنَافُسًا سُلطَانٍ وَلَا الْتِمَاسًا مِن فُضُولِ الْحُطَامِ" [۲]

"پروردگارا! یہ تحریک جو ہم نے چلائی ہے، جس امر کیلئے قیام کیا اور جس

---

[۱] سورۂ آل عمران: ۱۶۹

[۲] بحارالانوار ج۱۰۰، ص۷۹

میں تجھ سے فیصلے کے طالب ہیں تو جانتا ہے کہ یہ سب اقتدار کی خواہش کے لئے نہیں ہے۔"

اقتدار کی خواہش ایک انسان کے لئے ہدف نہیں بن سکتی اور نہ ہی ہم چاہتے ہیں کہ زمامِ قدرت کو اپنے ہاتھ میں لیں؛ نہ ہی ہمارا قیام دنیوی مال ومنال کے حصول کے لئے ہے کہ اُس کے ذریعہ سے دنیوی لذتوں سے لُطف اندوز ہوں، شکم پُری کے تقاضے پورے کریں اور مال ودولت جمع کریں؛ اِن میں سے کوئی ایک بھی ہمارا ہدف ومقصد نہیں ہے۔

پس سید الشہدا علیہ السلام کا قیام کس لئے تھا؟

امام حسین علیہ السلام نے اِس بارے میں چند جملے ارشاد فرمائے ہیں کہ جو ہماری جہت کو واضح کرتے ہیں۔ پوری تاریخ میں اسلام کی تبلیغ کا مقصد یہ تھا۔

"وَلٰكِن لِنُرِيَ الْمَعَالِمَ مِن دِينِكَ" [1]

"ہم تیرے دین کی نشانیوں کو واضح اور آشکار کرنا چاہتے ہیں اور دین کی خصوصیات کو لوگوں کے لئے بیان کرنے کے خواہاں ہیں"۔

اِن خصوصیات کا بیان بہت اہم ہے؛ شیطان ہمیشہ دیندار افراد کی گمراہی کے لئے غیر مرئی وغیر محسوس انحراف کا راستہ اپناتا ہے اور صحیح راہ کو اِس انداز سے غلط بنا کر پیش کرتا ہے (کہ ابتدائی مرحلے میں اگر انسان بصیرت کا مالک نہ ہو تو وہ اُس کی تشخیص نہیں کرسکتا)۔ اگر اُس کا بس چلے تو یہ کہتا ہے:

"دین کو چھوڑ دو۔"

اگر اُس کے امکان میں ہو تو یہ کام ضرور انجام دیتا ہے اور یوں شہوت پرستی اور اپنے غلط پروپیگنڈے کے ذریعہ لوگوں کے ایمان کو اُن سے چھین لیتا ہے اور اگر یہ کام ممکن نہ ہو تو دین

---

[1] بحار الانوار ج۱۰۰، ص۷۹

کی نشانیوں کو ہی بدل دیتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے آپ ایک راستے پر حرکت کر رہے ہوں تو سنگ میل یا راہنما سائن بورڈ آپ کی حرکت کو ایک خاص سمت میں ظاہر کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی خائن شخص آئے اور راستے کی سمت کو بتانے والے سائن بورڈوں پر درج شدہ علامات کو بدل دے کہ جو راستے کو ایک دوسری ہی طرف ظاہر کریں تو یقیناً آپ کی حرکت کی سمت بھی تبدیل ہو جائے گی!

اصلاح معاشرہ اور برائیوں کا سد باب

امام حسین علیہ السلام اِسی امر کو اپنے قیام کا پہلا ہدف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لِنُرِيَ المَعَالِمَ مِن دِينِكَ و نُظهِرَ الاِصلَاحَ فِي بِلَادِكَ". [1]

"بارالہا! ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں برائیوں کی ریشہ کنی کریں اور معاشروں کی اصلاح کریں"۔

یہاں امام حسین علیہ السلام کس اصلاح کی بات کررہے ہیں؟ اِصلاح یعنی برائیوں کو نابود کرنا؛ یہاں امام علیہ السلام کن برائیوں کی بات کررہے ہیں؟ برائیوں کی مختلف انواع واقسام ہیں:

چوری بھی برائی ہے،

خیانت بھی برائی ہے،

بیرونی طاقتوں سے وابستگی بھی برائی کے زمرے میں آتی ہے،

ظلم وستم بھی برائی ہی کا مصداق ہے،

اخلاقی انحراف وبگاڑ بھی برائیوں کی ہی ایک قسم ہے،

مالی خرد بُرد اور اقتصادی میدان میں انجام دیا جانے والا کرپشن بھی اجتماعی برائیوں سے ہی تعلق رکھتا ہے،

آپس میں دست وگریباں ہونا اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنا بھی برائی کی ہی ایک

---

[1] بحارالانوار ج۱۰۰، ص۷۹

نوع اور قسم ہے،

دشمنانِ دین کی طرف میل ورغبت اور جھکاؤ بھی برائیوں کا ہی حصہ ہے

اور دین کی مخالف چیزوں سے اپنے شوق ورغبت کو ظاہر کرنا بھی گناہ (اور برائی) ہے،

(ایک اسلامی معاشرے میں) یہ تمام چیزیں دین کی آڑ اور اُس کے سائے میں ہی وجود میں آتی ہیں (اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ چیزیں دینی حکومت کی آڑ میں وجود میں آئیں)۔

سید الشہدا علیہ السلام اِس کے بعد فرماتے ہیں:

"وَيَأمَنَ الْمَظْلُوْمُوْنَ مِنْ عِبَادِكَ". [1]

"تا کہ تیرے بندے امن وسکون پائیں"

یہاں مظلوم سے امام علیہ السلام کی مراد، معاشرے کے مظلوم افراد ہیں، نہ کہ ستمگر اور ظلم کرنے والے؛ نہ ظلم کے مدّاح اور نہ اُسے سراہنے والے اور نہ ہی ظالموں کا ساتھ دینے والے!

"مَظْلُومُونَ" سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو بے یارومددگار رہیں اور جنہیں اپنی نجات کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔

ہدف یہ ہے کہ معاشرے کے مستضعف اور کمزور افراد خواہ وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والے کیوں نہ ہوں، امن وسکون کا سانس لیں، اُن کی حیثیت وآبرو کی حفاظت اور اُن کے لئے عدل وانصاف کی فراہمی کا سامان ہو اور وہ اقتصادی طور پر امن وسکون کا سانس لیں کہ آج ہماری دنیا اِن ہی چیزوں کی بہت تشنہ ہے؛ چنانچہ آپ غور کیجئے کہ امام حسین علیہ السلام نے کس طرح اُس زمانے میں طاغوتی حکومت کے بالکل نقطہ مقابل میں موجود چیز پر انگلی رکھی۔

آج آپ بین الاقوامی سطح پر نگاہ ڈالئے تو آپ یہی صورتحال اپنے سامنے موجود پائیں

---

[1] بحار الانوار ج۱۰۰، ص۷۹

کہ دین کے پرچم کو اُلٹا اور اسلامی تعلیمات کو غلط انداز سے پیش کیا جارہا ہے، عالم استکبار اور لٹیرے خدا کے مظلوم بندوں پر پہلے سے زیادہ ظلم کررہے ہیں اور اِن ظالموں نے اپنے پنجوں کو مظلوموں کے جسموں میں گاڑا ہوا ہے۔

احکام الٰہی کا نفاذ

اِسی خطبے کے آخر میں سید الشہدا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ویُعمَلَ وَبِفَرَائِضِكَ أَحكَامِكَ وسُنَنِكَ" [1]

"اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ تیرے فرائض وسنت اور احکام پر عمل کیا جائے"۔

یہ ہے امام حسین علیہ السلام کا ہدف!

اب ایسے موقع پر ایک گوشے سے ایک شخص کھڑا ہو جو نہ صرف اسلامی تعلیمات سے آشنا نہیں ہے بلکہ امام حسین علیہ السلام کے کلمات حتیٰ عربی لغت کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہے، امام حسین علیہ السلام کے ہدف کے بارے میں لب کشائی کرے کہ امام حسین علیہ السلام نے فلاں ہدف کے لئے قیام کیا تھا (کہ جس کا امام حسین علیہ السلام کے ہدف سے سرے ہی سے کوئی تعلق نہیں ہے)! تو فوراً ہم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ اس سے سوال کرے کہ تم یہ بات کہاں سے اور کس دلیل کی بنا پر کہہ رہے ہو؟!

سید الشہدا علیہ السلام کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ ہے کہ:

"ویُعمَلَ وَبِفَرَائِضِكَ وَأَحكَامِكَ وسُنَنِكَ"

یعنی امام حسین علیہ السلام اپنی اور اپنے زمانے کے پاکیزہ ترین اور صالح انسانوں کی جانوں کو صرف اِس لئے قربان کررہے ہیں لوگ احکام دین پر عمل کریں،

---

[1] بحارالانوار ج۰۰ا،ص۷۹

آخر کیوں؟

اِس لئے کہ دنیا وآخرت کی سعادت، احکام دین پر عمل کرنے میں مضمر ہے، اِس لئے کہ عدل وانصاف، احکام دین پر عمل کرنے سے ملتا ہے اور اِس لئے کہ حریت وآزادی، احکام دین پر عمل کرنے سے وابستہ ہے۔ اِن لوگوں کو آزادی کہاں سے نصیب ہوگی؟ انسان، احکام دین کے سائے میں ہی اپنی تمام خواہشات کو پا سکتا ہے۔ [۱]

[۱] محرم کی آمد سے قبل علماء اور مبلغین سے خطاب ۲۰۰۰:۴:۱۲

کربلا میں پوشیدہ اسرار ورُموز

ا۔عوام کے سوئے ہوئے ضمیروں کی بیداری

امام حسین علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں ایک ایسا پہلوموجود ہے کہ جس نے ایک بہت ہی بلند وبالا پہاڑ کی مانند اطراف کی دیگر چیزوں کو اپنے دامن میں لیا ہوا ہے اور وہ "کربلا" ہے۔ سیدالشہدا علیہ السلام کی زندگی میں اتنے اہم ترین واقعات، مطالب، احادیث، خطبات اور پوری ایک تاریخ موجود ہے کہ اگر کربلا کا واقعہ رونمانہ بھی ہوتا تو بھی آپ کی زندگی بقیہ دوسرے ہر معصوم علیہ السلام کی مانند اسلامی احکامات اورروایات واحادیث کا منبع ہوتی لیکن واقعہ کربلا اتنا اہم ہے کہ آپ امام علیہ السلام کی زندگی کے شاید ہی کسی اور پہلو یا واقعہ کو ذہن میں لائیں!

واقعہ کربلا اتنا اہم ہے کہ آج روز ولادت باسعادت امام حسین علیہ السلام کی زیارت یا دعا میں اُن کے بارے میں یوں نقل کیا گیا ہے:

"بَکَتْهُ السَّمَآءُ وَ مَنْ فِيْهَا وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ لَمَّا يَطَأْ لَابَتَيْهَا" [1]

"امام حسین علیہ السلام پر آسمان اور اہل آسمان وزمین اوراُس پر رہنے والوں نے

[1] اعمال سوم شعبان، مفاتیح الجنان

گریہ کیا"۔

سید الشہدا علیہ السلام نے ابھی اِس جہان میں قدم نہیں رکھے ہیں لیکن زمین وآسمان نے اُن پر گریہ کیا، یہ واقعہ اتنی زیادہ اہمیت کا حامل ہے! یعنی تاریخ کے بے مثل ونظیر واقعہ کربلا اور شہادت عظمیٰ کا درس اکسٹھ ہجری کے روزِ عاشورا سامنے آیا لیکن یہ وہ واقعہ تھا کہ جس پر صدیوں سے زمین وآسمان کی نظریں جمی ہوئی تھیں، آخر یہ کیسا واقعہ تھا کہ جو پہلے سے مقدّر تھا؟

"اَلْمَوْعُوْدِ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اسْتِهْلَالِهٖ وَوِلَادَتِهٖ". [1]

"قبل اِس کے کہ حسین ابن علی علیہما السلام دنیا میں قدم رکھیں اُنہیں درجہ شہادت سے منسوب کیا جاتا اور شہید کے نام سے پکارا جاتا تھا"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسا راز پوشیدہ ہے کہ جو ہمارے لئے ایک عظیم درس کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے متعلق بہت زیادہ گفتگو کی گئی ہے، اچھی بھی اور صحیح بھی اور ہر ایک نے اپنے فہم وادراک کے مطابق اِس واقعہ کو سمجھا ہے۔ بعض نے اُسے حکومت کے حصول کے ہدف تک محدود کیا ہے، بعض نے اُسے دیگر مختلف مسائل تک بہت چھوٹا اور کم اہمیت والا بنا کر پیش کیا ہے جبکہ بعض ایسے افراد ہیں کہ جنہوں نے واقعہ کربلا کے عظیم پہلوؤں کو پہچانا، اُس پر گفتگو کی اور قلم اٹھایا کہ اِن میں سے میں کسی کو بھی بیان نہیں کرنا چاہتا؛ وہ مطلب کہ جسے بیان کرنا میرے مدّنظر ہے، یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ظہور کرنے والے اِس نئے مظہر "اسلام" کو اُس کے ظہور سے قبل یا ظہور کے آغاز سے لاحق خطرات کو پروردگار عالم کی طرف سے پہلے سے ہی بیان کر دیا گیا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ اُن خطرات سے مقابلے کے وسائل کو بھی اسلام میں مدنظر رکھا گیا تھا۔ بالکل ایک صحیح وسالم بدن کی مانند کہ جس میں خداوند عالم نے

---

[1] اعمال سوم شعبان، مفاتیح الجنان

اپنے دفاع کی قدرت اُس کے اندر رکھی ہے یا مثلاً ایک مشین کی مانند کہ جس کے موجد یا انجینئر نے اُس کی اصلاح کا وسیلہ اُس کے ساتھ رکھا ہے۔

دو قسم کے خطرات اور اُن سے مقابلے کی راہیں

اسلام اپنے ظہور سے ہی مختلف قسم کے خطرات کا سامنا کررہا ہے اور اُسے اِن خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے وسائل کی بھی ضرورت ہے؛ خداوند عالم نے اِن وسائل کو خود اسلام میں رکھا ہے۔

بیرونی دشمن

توجہ طلب بات یہ ہے کہ وہ خطرہ کیا ہے؟

دو بنیادی خطرات ہیں جو اسلام کو لاحق ہیں؛

(۱) بیرونی دشمنوں کا خطرہ ہے (۲) اندرونی تباہی کا خطرہ۔

بیرونی دشمن سے مراد یعنی سرحد پار مختلف قسم کے اسلحوں سے ایک نظام کے وجود، اُس کی فکر، اُس کی عقائدی بنیادوں، قوانین اور اُس کی تمام چیزوں کو اپنا نشانا بنانا۔ اِس خطرے کا آپ نے اسلامی جمہوریہ میں اپنی آنکھوں سے خود مشاہدہ کیا کہ دشمن نے یہ کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ کے نظام کو صفحہ ہستی سے نابود کردیں اور بہت سے بیرونی دشمن تھے کہ جنہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اِس اسلامی نظام کو ختم کردیں گے۔

بیرونی دشمنوں سے کیا مراد ہے؟

بیرونی دشمن سے مراد صرف مخالف ملک ہی نہیں بلکہ ملکی نظام کے مخالف افراد بھی دشمن کے زُمرے میں آتے ہیں خواہ وہ ملک کے اندر ہی کیوں نہ ہوں۔

بہت سے ایسے دشمن بھی ہیں جو اِس نظام سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں اور اِس کے مخالف ہیں؛ یہ افراد بھی بیرونی دشمن ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ ہر قسم کے جدید ترین اسلحے، پروپیگنڈے اور اپنی دولت اور اپنے پاس موجود ہر چیز اور وسیلے کے ذریعہ اِس نظام کو نابود کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کے دشمن ہے۔

اندرونی دشمن

دوسرا دشمن اور دوسری آفت ایک نظام کی اندرونی سطح پر ٹوٹ پھوٹ اور نابودی ہے اور یہ غیروں کی طرف سے نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ نابودی "اپنوں" کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ "اپنے لوگ" ممکن ہے کہ ایک نظام میں رہتے ہوئے ذہنی اور فکری گمراہی، صحیح راہ کی شناخت میں غلطی کا شکار ہونے، نفسانی خواہشات کے غالب آنے، مادی جلوؤں کو توجہ اور اہمیت دینے کی وجہ سے آفت کا شکار ہو جائیں، البتہ اِس کا خطرہ پہلے دشمن اور آفت کے خطرے سے بہت زیادہ ہے۔

یہ دونوں قسم کے دشمن بیرونی اور اندرنی دشمن (آفت و بلا) ہر نظام ومکتب کے لئے وجود رکھتے ہیں۔ اسلام نے اِن دونوں آفتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے "جہاد" کو معین کیا ہے؛ جہاد صرف بیرونی دشمن کے لئے نہیں ہے۔

"جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ" [1]

"کفار اور منافقین سے جہاد کرو"۔

(کفار باہر اور) منافق ہمیشہ ایک نظام ومکتب کے اندر رہ کر حملہ آور ہوتا ہے لہٰذا اِن سب سے جہاد کرنا چاہیے۔ جہاد دراصل اُس دشمن سے مقابلہ ہے جو کسی بھی نظام پر یقین واعتقاد

---

[1] سورۂ توبہ: ۷۳

نہ رکھنے اور اُس سے دشمنی کی وجہ سے اُس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اِسی طرح اندرونی سطح کی نابودی اور ٹوٹ پھوٹ کا مقابلہ کرنے کے لئے بہت ہی قیمتی اخلاقی تعلیمات موجود ہیں جو دُنیا کی حقیقت کو انسان کے سامنے کھل کر بیان کرتی ہیں،

"اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط" [1]

"جان لو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا، ظاہری زینت، آپس میں فخر کرنا اور مال واولاد کی کثرت پر دنیوی فخر ومباہات کرنا ہے"۔

صحیح ہے کہ دنیوی مال و دولت، مادی جلوے، یہ دنیوی لذات آپ کے لئے لازمی ہیں، آپ اِن سے استفادہ کرنے میں مجبور ہیں اور آپ کی زندگی اِن سے وابستہ ہے؛ نیز اِس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ آپ کو چاہیے کہ اِن کو اپنے لئے حاصل کریں لیکن ساتھ ہی یہ بھی جان لیں کہ اِن تمام دنیوی لذتوں وجلووں کو اپنا ہدف قرار دینا، اپنی اِن ضرورتوں کے پیچھے چشم بستہ حرکت کرنا اور اِن کے حصول اور اِن سے بہرہ مند ہونے کے لئے اپنے ہدف کو فراموش کر دینا بہت خطرناک ہے۔

میدانِ جنگ کے شجاع ترین اور شیر دل انسان، امیر المومنین علیہ السلام جب گفتگو فرماتے ہیں تو انسان اِس انتظار میں ہوتا ہے کہ اُن کی آدھی سے زیادہ گفتگو جہاد و جنگ اور قوتِ بازو کے بارے میں ہوگی لیکن جب ہم روایات اور نہج البلاغہ کے خطبات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپؑ کی زیادہ تر گفتگو اور نصیحتیں، زہد وتقویٰ، اخلاق، دنیا کی نفی اور اُس کی تحقیر اور بلند انسانی اور معنوی اقدار کی اہمیت اجاگر کرنے کے بارے میں ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ خصوصاً واقعہ کربلا میں یہ دونوں پہلو یعنی جہاد و جنگ اور

---

[1] سورۂ حدید: ۲۰

زہد وتقویٰ اور اخلاق، ایک ساتھ جلوہ افروز ہیں یعنی واقعہ کربلا میں دشمن اور نفس دونوں سے جہاد نے سب سے بہترین صورت میں جلوہ کیا ہے۔

خداوند عالم اِس بات کو جانتا تھا کہ یہ واقعہ پیش آئے گا لہٰذا اِس کے لئے سب سے بہترین مثال پیش کرنا چاہتا تھا کہ جو سب کے لئے آئیڈیل بن سکے؛ جیسے کسی بھی شعبہ زندگی میں پہلے درجے پر آنے والے افراد اور چیمپئن، اُسی شعبے میں دوسروں کی ترغیب کا باعث بنتے ہیں۔ البتہ یہ آپ کے ذہن کو حقیقت سے قریب کرنے کے لئے صرف ایک چھوٹی سی مثال ہے جبکہ عاشورا اور کربلا بیرونی دشمن اور نفس کے دو محاذوں پر لڑی جانے والی عظیم ترین جنگ سے عبارت ہے۔ یعنی پہلا محاذ بیرونی دشمن سے مقابلے کا محاذ ہے جو عبارت ہے اُس زمانے کے بدترین نظام حکومت اور جونکوں کی مانند نظام قدرت وسلطنت سے چمٹے ہوئے دنیا طلب افراد سے۔

یہ نظام حکومت وخلافت کہ جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کی نجات کے لئے ایک بہترین وسیلہ قرار دیا تھا لیکن اِن دنیا طلب اور شہرت پرست افراد نے اسلام اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے کے بالکل مخالف سمت میں حرکت کی؛ جبکہ دوسرا محاذ باطن کی برائیوں اور خواہشات نفسانی سے جہاد کا محاذ کہلاتا ہے کہ اُس معاشرے کی عمومی اور اجتماعی صورتحال یہ تھی کہ پورا معاشرا اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق حرکت کر رہا تھا۔

۲۔ لوگوں کے خوابیدہ ضمیروں کو جگانا

دوسرا نکتہ جو میری نظر میں پہلے نکتہ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور وہ یہ کہ ایک طرف اگر حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کو کچھ عرصہ ہی ہوا تھا اور اِس سلسلے میں بنیادی اور اساسی ترین کاموں کا انجام دیا جا چکا تھا تو دوسری جانب فتوحات نے اِسلامی مملکت کا دائرہ وسیع کر دیا تھا اور بیرونی دشمن اسلامی ممالک کے کونے

کونے میں سرکوب کردیے گئے تھے۔ فتوحات کے نتیجے میں مسلمان فتح شدہ علاقوں سے آنے والے مالِ غنیمت کے سیلاب میں غوطہ ور ہونے لگے اور اِس مالِ غنیمت کی غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں کچھ افراد مالدار اور ثروتمند بن گئے اور کچھ "طبقہ اشراف" میں شمار کیے جانے لگے۔

بڑی اور بزرگ شخصیات کا دنیاداری میں مبتلا ہونا

یہ سب اُس وقت ہوا کہ جب اسلام نے اشرافیت، طبقاتی نظام اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں امیر کے امیر تر اور غریب کے غریب تر ہونے کی روش کا قلع قمع کردیا تھا لیکن اِس اسلامی انقلاب کے کچھ عرصے بعد ہی ایک نئی "اشرافیت" نے دین کا لبادہ اوڑھ کر نئے تأسیس شدہ اسلامی معاشرے میں جنم لیا۔ بہت سے عناصر، اسلام کا نام لے کر سامنے آئے، اُنہوں نے "فلاں صحابی کے بیٹے" اور "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فلاں رشتہ دار کے بیٹے" کے اسلامی عنوان سے ناشائستہ اور غیر مناسب کاموں کو انجام دیا کہ جن میں سے بعض افراد کے نام اُن کے سیاہ کرتوتوں کے ساتھ آج بھی تاریخ کے اوراق کو سیاہ کررہے ہیں۔ اِن حالات میں ایسے لوگ بھی سامنے آئے کہ جنہوں نے اپنی بیٹیوں کے لئے چار سواسّی (۴۸۰) درہم کے شرعی مہر [کہ جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علیہ السلام اور اوائل اسلام کے دیگر مسلمانوں نے رائج کیا] کے بجائے دس لاکھ (ایک ملین) دینار اور ایک ملین مثقال خالص سونا قرار دیا!

یہ کون لوگ تھے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے بڑے صحابیوں کے بیٹے، مثلاً مصعب ابن زبیر جیسے افراد۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کسی نظام یا مکتب کا اندر سے خراب ہونا تو اُس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جب معاشرے میں اسلامی اور اخلاقی اقدار بدل جائیں! یعنی معاشرے میں ایسے افراد جنم لیں کہ جو دنیا زدگی، شہوت پرستی اور خواہشات نفسانی کی پیروی جیسی سرایت کرنے والی اپنی مہلک

اخلاقی بیماریوں کے زہر کو آہستہ آہستہ معاشرے کی رگوں میں اتار دیں۔

ایسے ماحول میں کون سورما تھا جو سامنے آتا جو شہامت و شجاعت اور جرأت و حوصلے کے ساتھ یزید ابن معاویہ کی حکومت کے خلاف آواز حق بلند کرتا؟ اُس بیمار معاشرے کا ایسا کون سا شخص تھا جو اُس نظام حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کی فکر کرتا؟!

معاشرے کی اکثریت اور اُس کی عمومی فضا ایسی تھی جو عیش و نوش اور شراب و کباب میں مبتلا تھی تو اِن حالات میں کس کو فکر ہوتی کہ ظلم و برائی کی بنیادوں پر قائم یزید کے اِس باطل نظامِ حکومت کے سامنے مقابلے کے لئے کھڑا ہو!

ایسے حالات میں امام حسین علیہ السلام کے عظیم قیام کے لئے راہ ہموار ہوئی کہ جس میں ظاہری و بیرونی دشمن سے بھی مقابلہ کیا گیا اور عام مسلمانوں کو تباہی اور انحراف کی طرف لے جانے والی برائیوں اور عیاشی اور راحت طلبی سے بھی جنگ کی گئی!

یہ بہت اہم بات ہے یعنی امام حسین علیہ السلام نے ایسا کام انجام دیا کہ لوگوں کے سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کر دیا۔ لہٰذا آپ توجہ فرمائیے کہ سید الشہدا علیہ السلام کی شہادت کے بعد بہت سے اسلامی اور مذہبی قیام یکے بعد دیگرے وجود میں آتے رہے البتہ اِن قیاموں اور تحریکوں کو سرکوب کر دیا گیا۔

اہم یہ بات نہیں ہے کہ کسی تحریک یا قیام کو دشمن کی طرف سے سرکوب کر دیا جائے البتہ یہ تلخ ضرور ہے لیکن اِس سے بھی زیادہ تلخ بات یہ ہے کہ ایک معاشرہ ایسی منزل پر پہنچ جائے کہ وہ اپنے دشمن کے مقابلے میں کسی بھی قسم کے ردعمل کو ظاہر کرنے کی صلاحیت و قدرت کو کھو بیٹھے اور یہ ایک معاشرے کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔

۳۔امام حسین علیہ السلام کا تاریخی کارنامہ

سید الشہدا علیہ السلام نے ایک ایسا کام انجام دیا کہ طاغوتی حکومتوں کے دور میں کچھ ایسے افراد پیدا ہوئے کہ جو اوائلِ اسلام سے زمانی فاصلہ رکھنے کے باوجود امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دور میں ظلم وستم کی حکومت سے مقابلے کرنے والے افراد سے زیادہ عزم وارادے کے مالک تھے۔ صحیح ہے کہ یہ قیام اور تحریکیں سرکوب کر دی گئیں لیکن بہر حال اِن لوگوں نے ظالمانِ وقت کے خلاف قیام کیا۔ اہل مدینہ کے قیام سے جو ”واقعہ حرّہ“ کے نام سے معروف ہے، شروع کیجئے اور بعد کے واقعات اور توابین ومختار کے قیام تک اور وہاں سے بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے تک مختلف قسم کے قیام مسلسل وجود میں آتے رہے، اِن تمام قیاموں کا بانی کون تھا؟ حسین ابن علی علیہما السلام!

اگر سید الشہدا علیہ السلام قیام نہیں فرماتے تو معاشرے کی سستی و کاہلی اور ذمہ داریوں سے فرار کی عادت، ظلم سہنے اور ذمہ داری کو قبول کرنے میں تبدیل نہیں ہوتی۔

کیوں کہتے ہیں کہ اُس معاشرے میں ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی حس مرچکی تھی؟

اُس کی دلیل یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام، اسلام کی عظیم اور بزرگ ہستیوں کے مرکز ”شہر مدینہ“ سے مکہ تشریف لے گئے؛ ”ابن عباس“، ”پسر زبیر“، ”ابن عمر“ اور صدر اسلام کے خلفاء کے بیٹے سب ہی مدینے میں موجود تھے لیکن کوئی ایک بھی اِس بات کے لئے تیار نہیں ہوا کہ اُس خونی اور تاریخی قیام میں امام حسین علیہ السلام کی مدد کرے۔

پس قیام امام حسین علیہ السلام کے شروع سے قبل عالم اسلام کے خاص الخاص افراد اور بزرگ ہستیاں بھی ایک قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھیں لیکن امام حسین علیہ السلام کے قیام وتحریک کی ابتدا کے بعد یہ روح زندہ ہوگئی۔ یہ وہ عظیم درس ہے کہ جو واقعہ کربلا میں دوسرے درسوں کے ساتھ موجود ہے اور یہ ہے اِس واقعہ کی عظمت! یہ جو کہا گیا ہے:

"اَلْمَوْعُودِ بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ اسْتِهْلَالِهِ وَوِلَادَتِهِ" [۱]

یا اُن کی ولادت باسعادت سے قبل "بَكَتْهُ السَّمَاءُ وَ مَنْ فِيهَا وَ الْأَرْضِ وَ مَنْ عَلَيْهَا" کہا گیا ہے اور لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کے اِس عظیم غم اور عزاء اور اُس کے خاص احترام کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور اِن دعاؤں اور زیارت کی تعبیرات میں اُن پر گریہ کیا گیا ہے تو اِن سب کی وجہ یہی ہے۔ [۲]

۴۔ واقعہ کربلا کی انفرادیت و عظمت!

کربلا، تاریخ کے اُفق سے کبھی نہ غروب ہونے والا سورج ہے! واقعہ کربلا کے تاریخ میں اتنے ان مٹ نقوش چھوڑے جانے کی کیا وجوہات ہیں؟ میری نظر میں واقعہ کربلا اِس جہت سے اہمیت و کمال کا حامل ہے کیونکہ اِس واقعہ کی ایثار و فداکاری، ایک استثنائی اور مافوق نوعیت کی تھی۔ تاریخ اسلام اپنی ابتدا سے آج تک بے شمار جنگوں، شہادتوں اور ایثار و فداکاری کی داستانوں سے پُر ہے۔ ہم نے اپنے زمانے میں خود مشاہدہ کیا کہ بہت سے افراد نے راہ خدا میں جہاد کیا، ایثار و فداکاری کی نئی داستانوں کو رقم کیا اور سخت سے سخت حالات کو تحمل کیا۔

ماضی میں بھی ایسی مثالیں فراواں ہیں اور آپ نے تاریخ میں اِن کا مطالعہ کیا ہے لیکن اِن سب میں سے کوئی ایک بھی واقعہ، واقعہ کربلا سے قابل موازنہ نہیں ہے حتیٰ کہ بدر و اُحد اور اوائل اسلام کے دیگر شہداء سے بھی۔ انسان جب غور و فکر سے کام لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ ہمارے چند ائمہ علیہم السلام میں سے نقل کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے سید الشہدا علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

---

[۱] مصباح المتہجد و سلاح المتعبد۔ ج ۲ ص: ۸۲۳

[۲] سپاہ پاسداران سے خطاب: ۱۹۹۲:۱:۲۶

"لَا یَوْمَ کَیَوْمِکَ یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ علیہ السلام"[1]

یعنی "اے ابا عبداللہ (امام حسین علیہ السلام)! کوئی واقعہ، آپ کے واقعہ کربلا اور کوئی دن آپ کے دن "عاشورا" کے جیسا نہیں ہے"!

چونکہ واقعہ کربلا ایک استثنائی واقعہ ہے۔

واقعہ کربلا کا لب لباب یہ ہے کہ جب پوری دنیا ظلم وستم اور برائیوں میں گھری ہوئی تھی تو یہ فقط امام حسین علیہ السلام ہی تھے کہ جنہوں نے اسلام کی نجات کے لئے قیام کیا اور اتنی بڑی دنیا میں سے کسی بھی ایک (بزرگ وعظیم اسلامی شخصیت) نے اُن کی مدد نہیں کی! حتیٰ آپ کے دوستوں نے بھی یعنی وہ افراد کہ جن میں سے ہر ایک کچھ افراد یا گروہ کو یزید سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں لا سکتا تھا لیکن ہر کوئی کسی نہ کسی عذر و بہانے سے میدان سے فرار کر گیا۔

ابن عباس نے کوئی عذر تراشا، عبداللہ بن جعفر نے کوئی بہانہ بنایا، عبداللہ بن زبیر نے کسی اور شرعی حیلے کا سہارا لیا اور صحابہ اور تابعین سے تعلق رکھنے والی باقی بزرگ ہستیوں نے کسی اور وسیلے سے اپنی جان بچانے میں ہی عافیت سمجھی، غرضیکہ مشہور و معروف شخصیات اور صاحبانِ مقام و منزلت نے میدانِ مبارزہ خالی کر دیا۔

یہ وہ وقت تھا کہ جب یہ سب افراد باتوں کی دنیا میں اسلام کے دفاع کو اہمیت دیتے اور اُسی کی بات کرتے تھے لیکن جب عمل کی منزل آئی اور دیکھا کہ یزیدی حکومت جو ظالم ہے، رحم نہیں کرتی اور سختی سے مخالف گروہوں اور افراد کو سرکوب کرتی ہے تو اِن سب میں سے ہر ایک نے میدان عمل سے فرار کیا اور کسی نہ کسی گوشہ و کنار میں جا کر پناہ لی اور امام حسین علیہ السلام کو میدانِ جنگ میں یکتا و تنہا چھوڑ دیا۔ اور تو اور اپنے اِس کام کے لئے توجیہات بھی کرنے لگے اور امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آ کر اُن سے اصرار کرنے لگے کہ "آقا! آپ یزید کے خلاف قیام و

[1] الامالی (للصدوق)/النص/116/المجلس الرابع والعشرون

جنگ کا خیال دل سے نکال دیں اور یہ کام انجام نہ دیں"۔

یہ درس کربلا کا ہے کہ خوف بس خدا کا ہے

یہ تاریخ کی ایک بڑی عجیب عبرت ہے کہ جہاں بڑی بڑی شخصیات خوف کا شکار ہو جاتی ہیں، جہاں دشمن اپنے تمام رُعب و دبدبے اور لاؤلشکر کے ساتھ مقابلے پر آتا ہے، جہاں سب اِس بات کا احساس کرتے ہیں کہ اگر اُنہوں نے میدان عمل میں قدم رکھا تو عالم غربت و تنہائی کا میدان جنگ اُنہیں ہضم کرجائے گا، وہ مقام کہ جہاں انسانوں کے باطن اور شخصیتوں کے جوہر پہچانے جاتے ہیں اور وہ وقت کہ جب وسیع وعریض عظیم اسلامی دنیا اپنی کثیر جمعیت و تعداد کے ساتھ موجود تھی تو ایسے میں مصمّم ارادوں کا مالک، آہنی عزم والا اور دشمن کے مقابلے میں جرأت وشہادت کا مظاہرہ کرنے والا صرف حسین ابن علی علیہما السلام ہی تھا۔

واضح سی بات ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام جیسی معروف اسلامی شخصیت کوئی تحریک چلاتی یا قیام کرتی تو کچھ افراد اُن کے گرد جمع ہوجاتے اور جمع بھی ہوئے۔لیکن جب اُنہیں معلوم ہوا کہ یہ کام کتنا سخت و دشوار ہے تو یہی افراد ایک ایک کرکے امام علیہ السلام کو چھوڑ گئے اور وہ افراد جو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مکے سے چلے یا راستے میں حضرت کے ساتھ شامل ہوتے رہے، شبِ عاشورا اُن کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی!

یہ ہے مظلومیت؛لیکن اِس مظلومیت کے نتیجے میں بے دردی سے قتل ہونے اور گھر والوں کے قیدی بنائے جانے کا معنی ذلت وپستی اور رُسوائی نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام تاریخِ اسلام کے عظیم ترین مجاہد ومبارز ہیں کیونکہ وہ ایسے خطرناک حالات میں اتنے سخت میدانِ جنگ میں قیام کیلئے کھڑے ہوئے اور ذرّہ برابر بھی خوف وتردید کا شکار نہیں ہوئے لیکن یہی عظیم انسان اپنی عظمت وبزرگی کے برابر مظلوم ہے، یہ شخصیت جتنی عظیم وبزرگ ہے اتنی ہی مظلوم ہے اور اُس

نے عالم غربت وتنہائی میں ہی درجہ شہادت کو پایا۔

دادو تحسین اور عالم غربت میں لڑی جانے والی جنگ کا فرق

بہت فرق ہے اُس شخص میں جو ایک فدا کار فوجی ہے اور جذبات کے ساتھ میدان میں قدم رکھتا ہے، عوام اُسی کے لئے نعرے لگاتی ہے اور اُس کی تمجید و بزرگی بیان کرتی ہے۔ اُس کے میدان کے چاروں طرف جوش وجذبات رکھنے والے افراد موجود ہوتے ہیں اور وہ جانتا ہے کہ اگر وہ زخمی یا شہید ہوجائے تو یہ لوگ کس قسم کے جذبات سے اُس کے ساتھ برتاؤ کریں گے اور اُس شخص میں جو عالم غربت وتنہائی اور انحراف وگمراہی کی ظلمت وتاریکی میں یاور وانصار اور کسی بھی قسم کی عوامی مدد واِعانت کے بغیر دشمن کے تمام پروپیگنڈے کے باوجود سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑا ہوکر مقابلہ کرتا ہے اور اپنے جسم و جان کو قضائے الٰہی کے سپرد کرتے ہوئے راہ خدا میں قتل ہونے کے لئے تیار ہوجاتا ہے؛

یہ ہے شہدائے کربلا کی عظمت و بزرگی! یعنی یہ شہدا، راہِ خدا و دین میں جہاد کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے دشمن کے رعب و دبدبے سے ہرگز خوف میں مبتلا نہیں ہوئے، نہ اپنی تنہائی کے خوف و وحشت نے اُن کے حوصلوں کو پست کیا اور نہ ہی اُنہوں نے اپنی تعداد کی کمی سے دشمن کے مقابلے سے فرار کا جواز فراہم کیا۔ یہی وہ چیز ہے کہ جو ایک انسان، ایک رہبر اور ایک قوم کو عظمت و بزرگی بخشتی ہے یعنی دشمن کے ظاہری جاہ وجلال اور رعب و دبدبے کو کسی خاطر میں نہ لانا اور خوف میں مبتلا نہ ہونا۔

۵۔ امام حسین علیہ السلام کی مختصر اور طویل مدت کی کامیابی

سید الشہدا علیہ السلام یہ بات جانتے تھے کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا دشمن اُس

معاشرے اور پوری دنیا کو اُن کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے سے بھر دے گا۔ امام حسین علیہ السلام کوئی ایسی شخصیت نہیں تھے کہ جو اپنے زمانے، اُس کے تقاضوں، وقت کے دھارے اور دشمن کو نہ پہچانیں؛ وہ اِس بات سے اچھی طرح آگاہ و باخبر تھے کہ اُن کا دشمن کیا کیا خباثتیں کرے گا، اِس کے باجود وہ یہ ایمان اور امید رکھتے تھے کہ اُن کی یہی غریبانہ اور مظلومانہ تحریک و قیام بالآخر دشمن کو مختصر اور طویل مدت میں شکست سے دوچار کردے گا اور بالکل ایسا ہی ہوا۔

یہ سراسر غلطی ہے کہ جو یہ خیال کرے کہ سید الشہدا علیہ السلام شکست کھا گئے۔ قتل ہونا شکست کھانا نہیں ہے اور نہ ہی میدان جنگ میں دشمن کے ہاتھوں قتل ہونا شکست کھانے کے برابر ہوسکتا ہے، جو اپنے ہدف کو حاصل نہ کر سکے درحقیقت شکست اُس کا مقدر بنتی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کا ہدف یہ تھا کہ اسلام اور نبوت اور اُس کی نشانیوں کو صفحہ ہستی سے مٹادیں لہٰذا اُن افراد نے شکست کھائی ہے اِس لئے کہ یہ افراد اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ سید الشہدا علیہ السلام کا ہدف یہ تھا کہ دشمنان اسلام کے منصوبوں کو ناکام بنادیں کہ جس کے مطابق وہ پورے معاشرے کو اپنے افکار و نظریات کے مطابق بناچکے تھے یا بنارہے تھے؛ آپ کا ہدف یہ تھا کہ اسلام اور اُس کی صدائے مظلومیت و حقانیت کو پوری دنیا میں پہنچادیں اور اسلام کا دشمن مغلوب ہوجائے اور ایسا ہی ہوا اور امام حسین علیہ السلام مختصر مدت اور بڑی مدت میں کامیاب ہوئے۔

مختصر مدت کی کامیابی

مختصر مدت میں آپؑ کو اِس طرح کامیابی نصیب ہوئی کہ آپؑ کے اِس قیام، مظلومانہ شہادت اور اہل بیت علیہم السلام کی اسیری نے بنی امیہ کی بنیادوں کو ہلا ڈالا، اِس واقعہ کے بعد جب دنیائے اسلام بالخصوص مکہ و مدینہ میں پے در پے واقعات رونما ہوئے جو آل ابوسفیان کی نابودی

پر ختم ہوئے اور تین چار سال میں آل ابوسفیان مکمل طور پر نابود ہوگئی۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو نہایت بے دردی اور مظلومیت سے کربلا میں شہید کرنے والی یہ عداوت و دشمنی اور صدیوں سے دل میں چھپا یہ بغض و کینہ اِس طرح اُس مظلوم امام علیہ السلام کی فریادِ مظلومیت کے سامنے مغلوب ہوجائے گا اور وہ بھی صرف تین یا چار سال میں؟!

طویل مدت کی کامیابی

بڑی مدت میں بھی امام حسین علیہ السلام کامیاب ہوئے؛ آپ تاریخ اسلام کو ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ دین نے کتنی وسعت پیدا کی ہے، اسلام کی جڑیں کتنی مستحکم ہوئی ہیں اور کتنی مسلمان اقوام نے رشد کیا ہے؟! اسلامی علوم اور فقہ نے کتنی پیشرفت کی اور بالآخر کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی اسلام کا پرچم دنیا کے بلند ترین مقامات پر لہرا رہا ہے! کیا یزید اور اُس کا خاندان، اسلام کی اِس طرح دن بہ دن ترقی و پیشرفت سے راضی تھا؟ وہ تو چاہتے تھے کہ اسلام کو جڑوں سمیت نکال پھینکیں اور اُن کی خواہش تھی کہ روئے زمین پر قرآن اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینے والا کوئی نہ ہو لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ نتیجہ اُن کی خواہشات کے برعکس ہے۔

پس اللہ کی راہ کا وہ مجاہد و مبارز جو ظلم و ستم کی دنیا کے سامنے مظلومانہ طور پر کھڑا ہوا، جس کا خون بہایا گیا اور جس کے خاندان کو قیدی بنایا گیا، وہ تمام جہات سے اپنے دشمن پر غالب و کامیاب ہوگیا؛ یہ قوموں کے لئے ایک عظیم درس ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیائے معاصر کی بڑی بڑی شخصیات، صدورِ مملکت اور سیاستدان حضرات حتی وہ افراد بھی جو مسلمان نہیں ہیں، کہتے ہیں:

"ہم نے مقابلے اور جد و جہد کا راستہ حسین ابن علی علیہما السلام سے لیا ہے"۔

ہمارا اسلامی انقلاب، انقلاب کربلا کا ایک جلوہ ہے

خود ہماراا سلامی انقلاب بھی اِسی کی ایک زندہ مثال ہے۔ ہماری عوام نے جہاد و استقامت کو امام حسین علیہ السلام سے سیکھا ہے اور اُنہوں نے اِس بات کو بھی اچھی طرح باور کرلیا ہے کہ اپنے ہدف کے حصول کی راہ میں قتل ہونا، مغلوب ہونے اور شکست کھانے کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اُنہوں نے اِس بات کو بھی اچھی طرح جان لیا کہ ظاہری طور پر مسلح دشمن کے سامنے عقب نشینی کرنا بدبختی اور روسیاہی کا باعث ہوتا ہے اور دشمن کتنا ہی رعب و دبدبے والا کیوں نہ ہو، خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا گروہ اور مجاہد اگر مومن ہوں اور خدا کی ذات پر توکل کرتے ہوئے اُس کی راہ میں جہاد کریں تو آخر کار دشمن کو شکست سے دوچار ہونا پڑے گا اور کامیابی اُس باایمان گروہ کے قدم چومے گی۔

آج جو کچھ میں آپ بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ یہ بات اچھی طرح جان لیں کربلا تا قیامت ہمارے لئے مشعلِ راہ اور ایک زندہ و جاوید آئیڈیل ہے اور کربلا مثال ہے اِس چیز کی کہ انسان اپنے دشمن کے ظاہری رعب و دبدبے کو دیکھ کر خوف و تردید کا شکار نہ ہو اور ہم عملی طور پر اِس کا امتحان دے چکے ہیں۔

کربلا عزت و سربلندی کا درس

صحیح ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں حسین ابن علی علیہما السلام صرف بہتر (۷۲) افراد کے ساتھ شہید ہو گئے لیکن اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جو بھی سید الشہدا علیہ السلام کی راہ پر قدم اٹھائے گا اور جہاد و استقامت کے پُرخطر راستے پر نکلے گا وہ حتماً شہید ہی ہوگا، نہیں! ایرانی قوم الحمد للہ! آج امام حسین علیہ السلام کی راہ پر چلنے کا عملی امتحان دے چکی ہے اور آج مسلمان قوموں اور

دیگر اقوام عالم کے سامنے عظمت و سربلندی سے کھڑی ہے۔آپ نے انقلاب کی کامیابی سے قبل جو کچھ انجام دیا اور جس راہ پر قدم اٹھائے وہ امام حسین علیہ السلام کی راہ تھی اور وہ دشمن سے نہ ڈرنا اور مسلح دشمن کے مقابلے کے لئے آمادگی تھا۔

آٹھ سالہ جنگ کے دوران بھی یہی صورتحال تھی اور ہماری عوام یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اُس کے مقابلے پر مشرق و مغرب کا استعمار کھڑا ہے لیکن وہ کسی بھی قسم کے خوف کا شکار نہیں ہوئی۔ہم نے اِس جنگ میں بہت قیمتی شہید دیئے ہیں، اپنے عزیز ترین افراد کی قربانی پیش کی ہے اور بہت سے افراد نے اپنی صحت و سلامتی کو راہِ خدا میں قربان کیا ہے۔ اِسی طرح بہت سے ایسے افراد ہیں کہ جو کئی سال تک دشمن کی قید میں رہے اور آج بھی کچھ افراد قید میں ہیں لیکن ہماری قوم اپنی اِس ایثار و فداکاری سے عزت و عظمت کی بلندیوں تک جا پہنچی ہے اور اسلام کامیاب ہو گیا ہے؛ آج اسلام کا پرچم دنیا پر لہرا رہا ہے اور یہ سب اُس استقامت کی برکت کا نتیجہ ہے۔[1]

[1] ماہ محرم کی آمد سے قبل عوامی اجتماع سے خطاب ۱۹۹۲:۷:۱

حسینی تحریک کا خلاصہ

انسانی جہالت اور پستی کے خلاف جنگ

امام حسین علیہ السلام کی زیارت اربعین میں ایک جملہ ذکر کیا گیا ہے جو مختلف زیارتوں اور دعاؤں کے جملوں کی مانند قابل تامّل اور معنی خیز جملہ ہے اور وہ جملہ یہ ہے:

"وَبَذَلَ مَهجَتَهُ فِيكَ"

یعنی زیارت پڑھنے والا خدا کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ" امام حسین علیہ السلام نے اپنی پوری ہستی اور دنیا، اپنی جان اور خون کو تیری راہ میں قربان کر دیا"؛

"لِيَستَنقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الجَهَالَةِ وَحَيرَةِ الضَّلَالَةِ"

" تا کہ تیرے بندوں کو جہالت سے نجات دلائیں اور ضلالت و گمراہی کی حیرت و سرگردانی سے اُنہیں باہر نکالیں"۔

یہ اِس حقیقت کا ایک رُخ ہے یعنی یہ حسین ابن علی علیہما السلام ہے کہ جس نے قیام کیا ہے۔ اِس حقیقت کا دوسرا رخ جسے اِس زیارت کا اگلا جملہ بیان کرتا ہے:

"وَقَد تَوَازَرَ عَلَيهِ مَن غَرَّتهُ الدُّنيَا وَبَاعَ حَظَّهُ بِالاَرذَلِ الاَدنىٰ."

اِس واقعہ میں امام علیہ السلام کے مدِ مقابل وہ لوگ تھے جو زندگی و دنیا سے فریب کھا کر اپنی ذات میں کھو گئے تھے، دنیاوی مال و منال، خواہشات نفسانی اور شہوت پرستی نے اُنہیں خود سے

بے خود کر دیا تھا،

"وَبَاعَ حَظَّهُ بِالْاَرْذَلِ الْاَدْنٰى"

"اُنہوں نے اپنے حصے کو کوڑیوں کے دام بیچ ڈالا"۔

خداوند عالم نے عالم خلقت میں ہر انسان کے لئے ایک خاص حصہ قرار دیا ہے اور وہ حصہ، دنیا و آخرت کی سعادت و خوش بختی سے عبارت ہے۔ اِن لوگوں نے اپنی دنیا و آخرت کی سعادت کو دنیا کی صرف چند روزہ فانی زندگی کے عوض فروخت کر ڈالا۔ یہ ہے حسینی تحریک کا خلاصہ کہ ایک طرف وہ عظمت و بزرگی اور ایک طرف یہ پستی اور ذلت و رسوائی!

اِس بیان میں غور و فکر کرنے سے انسان اِس بات کا احساس کرتا ہے کہ حسینی تحریک کو دو مختلف نگاہوں سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اور یہ دونوں نگاہیں درست ہیں لیکن یہ دونوں نگاہیں مجموعاً اِس تحریک کے مختلف اور عظیم پہلوؤں کی نشاندہی کرنے والی ہیں۔

ایک نگاہ امام حسین علیہ السلام کی تحریک کی ظاہری صورت سے متعلق ہے کہ آپ علیہ السلام کی یہ تحریک و قیام؛ ایک فاسق، ظالم اور منحرف یزیدی حکومت کے خلاف تھا لیکن ظاہری و معمولی اور آدھے دن میں ختم ہو جانے والی یہی تحریک درحقیقت ایک بہت بڑی تحریک تھی کہ جسے یہ نگاہ دوم بیان کرتی ہے اور وہ انسان کی جہالت و پستی کے خلاف امام علیہ السلام کی تحریک ہے۔ صحیح ہے کہ امام حسین علیہ السلام گرچہ یزید سے مقابلہ کرتے ہیں لیکن یہ امام عالی مقام علیہ السلام کا صرف یزید جیسے بے قیمت اور پست انسان سے تاریخی اور عظیم مقابلہ نہیں ہے بلکہ انسان کی جہالت و پستی، ذلت و رُسوائی اور گمراہی سے مقابلہ ہے اور درحقیقت امام علیہ السلام نے اِن سے جنگ کی ہے۔

امامت کی ملوکیت میں تبدیلی

اسلام کے ہاتھوں ایک آئیڈیل حکومت کی نبیاد رکھی گئی، اگر ہم اِس تناظر میں واقعہ کربلا اورتحریک حسینی کا خلاصہ کرنا چاہیں تو اِس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں بشریت؛ظلم و جہالت اورطبقاتی نظام کے ہاتھوں پس رہی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں خواہ وہ ایرانی شہنشائیت ہو یا رومی سلطنت و بادشاہت، سب کی سب غیر عوامی، عیاشی، ظلم وستم اور جہالت و برائیوں کی حکومتیں تھیں۔

اِسی طرح نسبتاً چھوٹی حکومتیں جو جزیرۃ العرب میں قائم تھیں، اُن سے بدتر تھیں غرضیکہ پوری دنیا پر جہالت کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ اِس ظلمت و تاریکی میں نور اسلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے، امداد الٰہی اور عوام کی طاقت فرسا جدوجہد کے ذریعہ جزیرۃ العرب کے ایک علاقے کو منور کیا، بعد میں یہ نور آہستہ آہستہ پھیلتا رہا اور اُس نے ایک وسیع و عریض علاقے کو منور کر دیا۔

جب حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی یہ حکومت ایسی حکومت تھی جو تاریخ بشریت میں سب کے لئے ایک آئیڈیل تھی اور اگر وہ حکومت اُسی طرح باقی رہتی تو بلا شک وشبہ وہ تاریخ کو تبدیل کر دیتی یعنی جو کچھ صدیوں کے بعد یعنی امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے زمانے میں ظہور پذیر ہوتا وہ اُسی زمانے میں وقوع پذیر ہو جاتا۔ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے بعد کی دنیا عدل و انصاف، پاکیزگی، سچائی اور معرفت و محبت کی دنیا ہے،

اِس عالم ہستی کی حقیقی دنیا امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے بعد کے زمانے سے متعلق ہے کہ یہ صرف خدا ہے جانتا ہے کہ اُس وقت بشر کن عظمتوں اور فضیلتوں کو حاصل کرے گا۔

بنابراِیں؛ اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت جاری رہتی تو تاریخ انسانیت تبدیل ہوجاتی لیکن کچھ خاص حالات کی وجہ سے یہ کام انجام نہ پا سکا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت کی خصوصیت یہ تھی کہ اُس کی بنیادیں ظلم وستم کے بجائے عدل وانصاف؛ شرک اور انسانی فکر کو متفرق اور پراکندہ کرنے کے بجائے توحید اور پروردگار عالم کی بندگی پر مرکوز؛ جہالت کے بجائے علم ومعرفت اور حسد وکینے کے بجائے انسانوں میں محبت وہمدردی اور ان کے مسائل حل کرنے کی بنیادوں پر قائم تھی۔ ایسی حکومت کے سائے میں پرورش پانے والا انسان؛ باتقویٰ، پاکدامن، عالم، بابصیرت، فعال، پُرنشاط، متحرک اور کمال کی طرف گامزن ہوگا۔ لیکن پچاس سال بعد حالات بالکل ہی بدل گئے، نام کا اسلام رہ گیا اور لوگ صرف ظاہری مسلمان تھے لیکن باطن میں اسلام واسلامی تعلیمات کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ عدل وانصاف کی حکومت کے بجائے ظالم حکومت برسراقتدار آ گئی، اُخوت ومساوات کی جگہ طبقاتی نظام اور گروہ بندی براجمان ہو گئے اور نورِ معرفت بجائے جہالت کے سیاہ بادلوں نے لوگوں پر سایہ کرلیا۔ اِن پچاس سالوں میں آپ جتنا آگے کی طرف جاتے جائیں گے اور اگر انسان ایسی مثالیں ڈھونڈنا چاہے تو ایسے سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جنہیں اہل تحقیق، نوجوان نسل کے لئے بیان کرسکتے ہیں۔

امامت وملوکیت کا فرق

خداوند عالم کا عطا کردہ "ہدایت کا نظام امامت"؛ ملوکیت وسلطنت میں تبدیل ہوگیا!

نظام امامت کی حقیقت واصلیت؛ سلطنت وملوکیت کے نظام کی حقیقت وجوہر سے مختلف ہے،

اُس سے مکمل طور پر تناقض رکھتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

امامت یعنی روحانی اور معنوی رہبری و پیشوائی، لوگوں سے ایک قلبی اور اعتقادی رابطہ لیکن ملوکیت وسلطنت یعنی ظلم وقدرت اور فریب کی حکومت کہ جس میں عوام اور حکومت میں کوئی قلبی، معنوی اور ایمانی رشتہ و رابطہ قائم نہیں ہوتا اور یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کے مدّمقابل ہیں۔

امامت؛ امّت کے درمیان، امت کیلئے اور امت کی خیر و بھلائی کے لئے ایک رواں اور شفاف چشمہ ہے۔

ملوکیت وسلطنت؛ عوام کی مصلحت پر زور زبردستی کا راج، سلطنت یعنی خاص افراد کی فلاح و بہبود کی حکومت اور حکام وسلاطین کے لئے ثروت اندوزی اور شہوت رانی کے وسائل فراہم کرنے کے امکانات۔

ہم امام حسین علیہ السلام کے زمانے حکومت کی جتنی تصویریں دیکھتے ہیں ہمیں ہر طرف ملوکیت وسلطنت ہی نظر آتی ہے۔

جب یزید برسر اقتدار آیا تو اُس کا لوگوں سے نہ کوئی رابطہ تھا اور نہ وہ علم و پرہیزگاری اور پاکدامنی اور تقویٰ کی "الف با" سے واقف تھا؛ راہ خدا میں جہاد کرنے کا اُس کا نہ کوئی سابقہ تھا اور نہ ہی وہ معنویت وروحانیت پر یقین واعتقاد رکھتا تھا؛ نیز نہ اُس کا کردار ایک مومن کے کردار کی مانند تھا اور نہ اُس کی گفتار ایک حکیم و دانا کی گفتار تھی اور سنت رسولؐ سے اُس کا دور دور کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اِن حالات میں حسین ابن علی علیہما السلام کیلئے جو ایسے امام و رہبر تھے کہ جنہیں مسند رسولؐ پر بیٹھنا چاہیے تھا، ایسے حالات پیش آئے اور اُنہوں نے قیام کیا۔

قیام امام حسین علیہ السلام کا اصلی ہدف

اگر اِس واقعہ کا ظاہری تجزیہ وتحلیل کیا جائے تو بظاہر یہ قیام، ظلم کی بنیادوں پر قائم یزید کی باطل حکومت کے خلاف تھا لیکن حقیقت میں یہ قیام؛ اسلامی اقدار کے اِحیاء، معرفت وایمان کو جلا دینے اور عزت کے حصول کے لئے تھا اور اِس کا مقصد یہ تھا کہ امت کو ذلت وپستی، رسوائی اور جہالت سے نجات دی جائے۔

لہٰذا یہی وجہ ہے کہ جب سید الشہدا علیہ السلام مدینہ تشریف لے جارہے تھے تو اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کے نام یہ تحریر لکھی:

"اِنِّی لَمْ اَخرُج اَشِرًا وَ لاَ بَطِرًا وَلاَ مُفسِدًا وَلَا ظَالِمًا اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِی اُمَّةِ جَدِّی."

"میں غرور وتکبر، فخر ومباہات اور ظلم وفساد کے لئے قیام نہیں کررہا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ امت محمدیؐ کی حالت تبدیل ہوگئی ہے اور لوگ غلط سمت اور انحطاط کی طرف حرکت کررہے ہیں اور اُس جانب قدم بڑھارہے ہیں کہ جو اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی سمت کے خلاف ہے اور میں نے اِسی انحراف اور خرابی سے مقابلے کے لئے قیام کیا ہے"۔

سید الشہدا علیہ السلام کے مبارزے کی دو صورتیں

امام حسین علیہ السلام کے قیام و مبارزے کی دو صورتیں ہیں اور دونوں کا اپنا اپنا الگ نتیجہ ہے اور دونوں اچھے نتائج ہیں؛ ایک نتیجہ یہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام یزیدی حکومت پر غالب و کامیاب ہو جاتے اور لوگوں پر ظلم و ستم کرنے والوں سے زمام اقتدار چھین کر امت کی صحیح سمت میں راہنمائی فرماتے، اگر ایسا ہو جاتا تو تاریخ کی شکل ہی بدل جاتی۔

دوسری صورت یہ تھی کہ اگر کسی بھی وجہ اور دلیل سے یہ سیاسی اور فوجی نوعیت کی کامیابی آپ کے لئے ممکن نہیں ہوتی تو اُس وقت امام حسین علیہ السلام اپنی زبان کے بجائے اپنے خون، مظلومیت اور اُس زبان کے ذریعہ کہ جسے تاریخ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یاد رکھتی، اپنی باتیں ایک رواں اور شفاف پانی کی مانند تاریخ کے دھارے میں شامل کر دیتے اور آپ نے یہی کام انجام دیا۔

البتہ وہ افراد جو بڑے بڑے زبانی وعدے کرتے اور اپنے ایمان کی مضبوطی کا دم بھرتے تھے اگر ایسا نہ کرتے تو پہلی صورت وجود میں آتی اور امام حسین علیہ السلام اُسی زمانے میں دنیا و آخرت کی اصلاح فرما دیتے لیکن اِن افراد نے کوتاہی کی! اِس کوتاہی کے نتیجے میں وہ پہلی صورت سامنے نہیں آسکی اور نوبت دوسری صورت تک جا پہنچی۔

یہ وہ چیز ہے کہ جسے کوئی بھی قدرت امام حسین علیہ السلام سے نہیں چھین سکتی اور وہ میدانِ شہادت میں جانے کی قدرت اور راہِ دین میں اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی جان قربان کرنا

ہے۔ یہ وہ ایثار وفداکاری ہے کہ جو اتنی عظیم ہے کہ اِس کے مقابلے میں دشمن کتنی ہی ظاہری عظمت کا مالک کیوں نہ ہو، وہ حقیر ہے اور اُس کی ظاہری عظمت ختم ہوجاتی ہے اور یہ وہ خورشید ہے کہ جو روز بروز دنیائے اسلام پر نور افشانی کررہا ہے۔

آج امام حسین علیہ السلام گزشتہ پانچ یا دس صدیوں سے زیادہ دنیا میں پہچانے جاتے ہیں۔ آج حالات یہ ہیں کہ دنیا کے مفکرین، روشن فکر شخصیات اور بے غرض افراد جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور واقعہ کربلا کو دیکھتے ہیں تو اپنے دل میں خضوع کا احساس کرتے ہیں۔ وہ تمام افراد جو اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتے لیکن آزادی، عدالت، عزت، سربلندی اور اعلیٰ انسانی اقدار جیسے بلند پایہ مفاہیم کو سمجھتے ہیں اور اِس زاویے سے کربلا کو دیکھتے ہیں تو آزادی و آزاد خواہی، عدل و انصاف کے قیام، برائیوں، جہالت اور انسانی پستی سے مقابلہ کرنے میں سید الشہدا علیہ السلام اُن کے امام و رہبر ہیں۔

جہالت وپستی، انسان کے دو بڑے دشمن

آج انسان نے دنیا میں جہاں کہیں بھی چوٹ کھائی ہے خواہ وہ سیاسی لحاظ سے ہو یا فوجی واقتصادی لحاظ سے، اگر آپ اُس کی جڑوں تک پہنچیں تو آپ کو یا جہالت نظر آئے گی یا پستی ۔یعنی اِس انسانی معاشرے کے افراد یا آگاہ وواقف نہیں ہیں اور اُنہیں جس چیز کی لازمی معرفت رکھنی چاہیے وہ لازمی معرفت وشناخت نہیں رکھتے ہیں یا یہ کہ معرفت کے حامل ہیں لیکن اُس کی اہمیت اور قدر و قیمت کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے اُسے کوڑیوں کے دام بیچ دیا ہے اور اُس کے بجائے ذلت وپستی کو خرید لیا ہے!

امام سجاد علیہ السلام اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"لَيسَ لِاَنفُسِكُم ثَمَن اِلَّا الجَنَّةَ فَلَا تَبِيعُوهَا بِغَيرِهَا"[1]

"تمہاری جانوں کی جنت کے علاوہ کوئی اور قیمت نہیں ہے لہذا اپنی جانوں کو جنت کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض نہ بیچو"۔

یعنی اے انسان! اگر یہ طے ہو کہ تمہاری ہستی وذات اور تشخص و وجود کو فروخت کیا جائے تو اِن کی صرف ایک ہی قیمت ہے اور وہ ہے خدا کی جنت، اگر تم نے اپنے نفس کو جنت سے کم کسی اور چیز کے عوض بیچا تو جان لو کہ تم کو اِس معاملے میں غبن ہوا ہے! اگر پوری دنیا کو بھی اِس شرط کے ساتھ تمہیں دیں کہ ذلت وپستی کو قبول کر لو تو بھی یہ سودا جائز نہیں ہے۔

---

[1] نہج البلاغۃ (للصبحی صالح)/556/ [465]456..... ص:556

وہ تمام افراد جو دنیا کے گوشے کناروں میں زر و زمین اور صاحبانِ ظلم و ستم کے ظلم کے سامنے تسلیم ہو گئے ہیں اور اُنہوں نے اِس ذلت و پستی کو قبول کر لیا ہے، خواہ عالم ہوں یا سیاست دان، سیاسی کارکن ہوں یا اجتماعی امور سے وابستہ افراد یا روشن فکر اشخاص، تو یہ سب اِس وجہ سے ہے کہ اُنہوں نے اپنی قدر و قیمت کو نہیں پہچانا اور خود کو کوڑیوں کے دام فروخت کر دیا ہے۔

ہاں! سچ تو یہی ہے کہ دنیا کے بہت سے سیاستدانوں نے خود کو بیچ ڈالا ہے۔ عزت صرف یہ نہیں ہے کہ انسان صرف سلطنت کیلئے بادشاہت یا ریاست کی کرسی پر بیٹھے؛ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان تختِ حکومت پر بیٹھ کر ہزاروں افراد سے غرور و تکبر سے پیش آتا ہے اور اُن پر ظلم کرتا ہے لیکن اُسی حالت میں ایک بڑی طاقت اور سیاسی مرکز کا اسیر و ذلیل بھی ہوتا ہے اور خود اُس کی نفسانی خواہشات اُسے اپنا قیدی بنائے ہوئے ہوتی ہیں! آج کی دنیا کے سیاسی اسیر و قیدی کسی نہ کسی بڑی طاقت و قدرت اور دنیا کے بڑے سیاسی مراکز کے اسیر و قیدی ہیں!

اسلامی انقلاب سے قبل ایران کی ذلت و پستی

اگر آپ آج ہمارے اِس عظیم ملک پر نگاہ ڈالیں تو آپ مشاہدہ کریں گے کہ اِس ملک کے نوجوانوں کے چہرے اپنے ملک کے استقلال وخودمختاری اورعزت کے احساس سے شادمان ہیں۔کوئی بھی اِس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے کہ اِس ملک کا سیاسی نظام، دنیا کی کسی ایک سیاسی قدرت کا ایک چھوٹا سا حکم بھی قبول کرتا ہے!

پوری دنیا اِس بات کو اچھی طرح قبول کرتی ہے کہ اِس عظیم اور باعزت ملک میں اسلامی انقلاب سے قبل ایسی حکومت برسراقتدار تھی کہ جس کے افراد فرعونیت اور تکبر کے مرض میں مبتلا تھے، اُنھوں نے اپنے لئے ایک اعلیٰ قسم کے جاہ وجلال اور رعب و دبدبے کی دنیا بنائی ہوئی تھی اورلوگ اُن کی تعظیم کرتے ہوئے اُن کے سامنے جھکتے تھےلیکن یہی افراد دوسروں کے اسیر و اُن کے سامنے ذلیل وپست تھے!

اِسی تہران میں جب بھی امریکی سفیر چاہتا تو وقت لئے بغیر شاہ سے ملاقات کرتا، ہر بات کواُس پرتھونپتااوراُس سے اپنی بات کی تکمیل چاہتااور اگر وہ انجام نہ دیتا تو اُسے ہٹا دیتا (لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ شاہ ایران میں اتنی جرأت ہی نہیں تھی کہ وہ امریکی حکومت یاامریکی سفیر کی مرضی کے خلاف کوئی چھوٹا سا عمل انجام دے!) اِن افراد کا ظاہر بہت جاہ وجلال والا تھالیکن صرف عوام اور کمزور افراد کے سامنے۔امام حسین علیہ السلام اِسی پستی و ذلت کوانسانوں سے دور کرنا چاہتے تھے۔

اخلاق پیغمبر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ

"کَانَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَأْکُلُ أَکْلَ الْعَبْدِ وَیَجْلِسُ جُلُوسَ الْعَبْدِ"[1]

"وہ غلام وعبد کی مانند غذا تناول فرماتے اور بندوں کے مثل بیٹھتے تھے"۔

خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے عزیز و اقارب امیر ترین افراد تھے لیکن لوگوں سے آپؐ کی رفتار و عمل بہت ہی متواضعانہ تھا، اُن کا احترام فرماتے اور کبھی فخر ومباہات سے پیش نہیں آتے تھے لیکن آپؐ کی ایک نگاہ و اشارے سے اُس زمانے کے بڑے بڑے شہنشاہوں کے بدنوں میں کپکپی طاری ہو جاتی تھی؛ یہ ہے حقیقی عزت!

امامت وسلطنت کا بنیادی فرق

امامت یعنی وہ نظام کہ جو خدا کی عطا کی ہوئی عزت کو لوگوں کے لئے لے کر آتا ہے، لوگوں کو علم ومعرفت عطا کرتا ہے، اُن کے درمیان پیار ومحبت کو رائج کرتا ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و بزرگی کی حفاظت جیسا عظیم فریضہ اُس کے فرائض میں شامل ہے لیکن بادشاہت اور ظالم حکومتیں بالکل اِس کے برعکس عمل کرتی ہیں۔

آج دنیا کے بہت سے ممالک میں بادشاہی نظام رائج نہیں ہے لیکن وہ لوگ درحقیقت بادشاہ ہی ہیں اور مطلق العنانیت اُن کے ملک پر حاکم ہے۔ اِن کا نام سلطان، بادشاہ سلامت، جاں پناہ، ظلِ الٰہی اور ظلِ سبحانی نہیں ہے اور ظاہری جمہوریت بھی اُن کے ملک میں

---

[1] المحاسن: ج ۲ ص: ۴۵۶

موجود ہے لیکن اُن کے دماغ میں وہی قدیم سلطنت و بادشاہت اور اُس کی فرعونیت کا قوی ہیکل دِیو سوار ہے یعنی لوگوں سے ظالمانہ اور متکبرانہ رویہ رکھنا اور اپنے سے بالاتر طاقتوں کے سامنے ذلت ورسوائی سے جھکنا! نوبت تو یہاں تک آ پہنچی ہے کہ ایک بہت ہی بڑے اور طاقتور ملک (امریکا) کے اعلیٰ سیاسی عہدیدار اپنے اپنے مقام ومنصب کے لحاظ سے صہیونیوں، بین الاقوامی مافیا، بین الاقوامی خفیہ نیٹ ورک اور بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکان کے ہاتھوں اسیر وغلام ہیں! یہ لوگ مجبور ہیں کہ اُن کی خواہشات کے مطابق باتیں کریں اور اپنا موقف اختیار کریں تا کہ وہ کہیں اِن سے ناراض نہ ہوجائیں، اِسے کہتے ہیں سلطنت و بادشاہت! جب کسی بھی کام کے ایک پہلو میں بھی ذلت ورُسوائی موجود ہوگی تو وہ ذلت ورُسوائی اُس کے بدن اور ڈھانچے میں بھی سرائیت کر جائے گی اور امام حسین علیہ السلام نے عالم اسلام میں پنپنے والی اِسی ذلت ورُسوائی کے خلاف قیام کیا۔

بندگیٔ خدا کے ساتھ ساتھ عزت وسرفرازی

امام حسین علیہ السلام کے رفتار و عمل میں ابتدا ہی سے یعنی مدینہ سے آپ کی حرکت سے شہادت تک معنویت، عزت وسربلندی اور اُس کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کے سامنے عبودیت و بندگی اور تسلیم محض کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے جبکہ واقعہ کربلا اور امام علیہ السلام کی پوری زندگی میں یہی بات قابل مشاہدہ ہے۔

جس دن آپ کی خدمت میں ہزاروں خطوط لائے گئے کہ ہم آپ کے شیعہ اور چاہنے والے ہیں اور کوفہ وعراق میں آپ کی آمد کا انتظار کررہے ہیں تو آپؑ کسی بھی قسم کے غرور وتکبر میں مبتلا نہیں ہوئے۔ ایک مقام پر آپ علیہ السلام نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"خُطَّ الْمَوْتُ عَلَى وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَةِ عَلَى جِيدِ الْفَتَاةِ" [1]

"موت فرزند آدم کے لئے اِس طرح لکھ دی گئی ہے جس طرح ایک گلوبند ایک جوان لڑکی کے گلے پر نشان چھوڑ جاتا ہے"۔

سید الشہداء علیہ السلام نے یہاں موت کا ذکر کیا ہے، یہ نہیں کہا کہ ایسا کریں ویسا کریں گے یا امام حسین علیہ السلام نے یہاں دشمنوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا ہو اور دوستوں اور چاہنے والوں کو سبز باغ دکھائے ہوں کہ میں تم کو شہر کوفہ کے منصب ابھی سے تقسیم کیے دیتا ہوں؛ ایسا ہرگز نہیں ہے! بلکہ سید الشہداء علیہ السلام یہاں ایک سچے اور خالص مسلمان کی حیثیت سے معرفت، عبودیت و

---

[1] بحارالانوار، جلد ۴۴، صفحہ ۳۶۶

بندگی اور تواضع کی بنیادوں پر قائم اپنی تحریک کا اعلان فرمار ہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سب لوگوں نے اپنی نگاہیں اِسی عظیم شخصیت کی طرف اٹھائی ہوئی ہیں اور اُس سے اظہار عقیدت و مودّت کرتے ہیں۔جس دن کربلا میں تیس ہزار پست و ذلیل افراد کے ہاتھوں سو سے بھی کم افراد کا محاصرہ کیا گیا اور لوگ آپ علیہ السلام اور آپؑ کے اہل بیت علیہم السلام و اصحاب کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے اور اہل حرم اور خواتین کو قیدی بنانے کے لئے پر تولنے لگے تو اُس خدائی انسان، خدا کے سچے بندے اور اسلام کے سچے عاشق میں خوف اضطراب کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔

وہ راوی کہ جس نے روز عاشورا کے واقعات کو نقل کیا ہے اور جو کتابوں کے ذریعہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے ہیں، کہتا ہے:

"فَوَاللهِ مارَاَیتُ مَکثُورًا"

"قسم خدا کی کہ روز عاشورا کے مصائب، سختیوں اور ظلم وستم کے باوجود میں نے اُنہیں تھوڑا سا بھی ٹوٹا ہوا نہیں پایا"

"مَکثُورا" یعنی جس پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، جس کا بچہ مر جائے، جس کے دوستوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، جس کے مال و دولت کو لوٹ لیا جائے اور مصیبتوں اور سختیوں کے طوفان کی اُٹھتی ہوئی موجیں جسے چاروں طرف سے گھیر لیں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے چاروں طرف سے بلاؤں میں گھرے ہوئے حسین ابن علی علیہما السلام کی طرح کسی کو بھی مضبوط چٹان کی مانند نہیں دیکھا، مختلف جنگوں، بڑے بڑے محاذ جنگ اور اجتماعی اور سیاسی میدانوں میں ہم کو مختلف قسم کے افراد نظر آتے ہیں کہ جو غم واندوہ کے دریا میں غرق ہوتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ اُس مصیبت اور کڑے وقت حسین ابن علی علیہما السلام کی مانند میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شاداب چہرے، مصمم ارادوں کا مالک، عزم آہنی رکھنے والا اور خداوند عالم کی ذات پر کامل توکل کرنے والا ہو۔

یہ ہے خداوند عالم کی عطا کی ہوئی عزت! یہ وہ انمٹ نقوش ہیں جو واقعہ کربلا نے تاریخ پر چھوڑے ہیں۔ انسان کو ایسی حکومت و معاشرے کے حصول کے لئے جدو جہد کرنا چاہیے یعنی ایسا معاشرہ کہ جس میں جہالت و پستی، انسانوں کی غلامی اور طبقاتی نظام اور نسل و نژاد کے زخم و ناسور موجود نہ ہوں۔ سب کو ایسے معاشرے کے حصول کے لئے مل کر اجتماعی جدو جہد کرنی چاہیے تا کہ وہ وجود میں آئے اور آئے گا اور یہ کام ممکن ہے۔

اسلامی انقلاب کا آئیڈیل کربلا ہے

ایک وہ زمانہ تھا کہ جب دنیا میں رائج مادی مکاتب وسیاست سے انسانیت مایوس ہو چکی تھی لیکن ہمارے اسلامی انقلاب اور نظام اسلامی نے یہ ثابت کر دیا کہ جہالت وپستی، طبقاتی نظام، انسانوں کی انسانوں کیلئے غلامی اور نسل ونژاد سے پاک معاشرے کا قیام ممکن ہے۔صحیح ہے کہ ہمارا اسلامی نظام ابھی کامل نہیں ہوا ہے لیکن اُس نے اپنے ہدف کے حصول کی راہ سے بڑی بڑی رکاوٹوں کو دور کر دیا ہے؛ طاغوتی حکومت، آمرانہ نظام حکومت، وہ حکومتیں جو اپنی عوام پر شیروں کی طرح مسلط تھیں لیکن بڑی طاقتوں کے سامنے بھیگی بلی بنی ہوئی تھیں، (پہلوی خاندان کے) ایسے افراد کی حکومت جو اپنی عوام سے فرعونیت وتکبر سے پیش آتی تھی لیکن غیروں اور بیگانوں کے سامنے اُس کا سر تسلیم خم تھا، یہ ہیں ایک قوم کی راہ کے موانع اور وہ بھی ایسی حکومت کہ دنیا کی تمام بڑی طاقتیں جس کی حمایت وطرفداری کرتی تھیں۔ایرانی قوم نے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ کام عملی اور ممکن ہے اور اِس رکاوٹ کو ہٹا کر اِس راستے پر حرکت کی جا سکتی ہے۔

خداوند عالم کے لطف وکرم سے اِس نظام کو کامیاب بنانے کی راہ میں بہت زیادہ کوششیں کی گئی ہیں لیکن میرے بھائیوں اور بہنو! ہم ابھی آدھے راستے میں کھڑے ہیں؛ اگر ہم سید الشہدا علیہ السلام کے پیغام کو زندہ رکھیں، اگر امام حسین علیہ السلام کے نام کا احترام کریں، اگر ہم تحریک کربلا کو انسانی تاریخ کا بہت بڑا واقعہ جانتے ہیں اور اُس کی عظمت واحترام کے قائل ہیں تو یہ اِس لئے ہے کہ اِس واقعہ کا تذکرہ اور اُسے زندہ رکھنا ہماری مدد کرے گا کہ ہم آگے کی جانب قدم

بڑھائیں اور امام حسین علیہ السلام کے بتائے ہوئے راستے کو اپنا سرمشق زندگی قرار دیں۔ امام حسین علیہ السلام کے نام گرامی کو خداوند عالم نے عظمت بخشی ہے اور تاریخ میں واقعہ کربلا کو تا ابد زندہ رکھا ہے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ اِس واقعہ کو زندہ رکھیں اور اِس کی عظمت کو بیان کریں تو اِس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ہم اِس کام کو انجام دے رہے ہیں، نہیں! یہ واقعہ اِس سے زیادہ باعظمت ہے کہ دنیا کے مختلف واقعات اُسے کم رنگ بنائیں یا اُسے ختم کر دیں۔ [1]

کربلا ہے اِک آفتاب اور اُس کی تنویریں بہت

محرم سے متعلق دو قسم کی باتیں کی جاسکتی ہیں جن میں سے ایک خود واقعہ کربلا سے متعلق ہے۔ اگرچہ کہ ہمارے بزرگ علما نے فلسفہ قیام امام حسین علیہ السلام کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اور بہت ہی قیمتی مطالب اِس ضمن میں موجود ہیں لیکن اِس درخشاں حقیقت کی عظمتیں بیان کرنے کے لئے ایک طویل عمر بھی ناکافی ہے۔ ہم واقعہ کربلا اور قیام امام حسین علیہ السلام کے متعلق جتنا بھی غوروفکر کریں، متوجہ ہوں گے کہ یہ واقعہ مختلف جہات سے جذابیت، فکری وسعت کا حامل اور بیان کیے جانے کے قابل ہے۔ ہم جتنی بھی فکر کریں گے تو ممکن ہے کہ اِس واقعہ کے نئے پہلوؤں، زاویوں اور حقائق کو ہمارے سامنے آئیں۔ یہ وہ چیز ہے کہ جو پورے سال بیان کی جاتی ہے لیکن ماہ محرم کی اپنی ایک الگ خاص بات ہے اور ایام محرم میں اِسے زیادہ بیان کیا جانا چاہیے اور کیا جاتا ہے اور ان شاء اللہ بیان کیا جاتا رہے گا۔

---

[1] خطبہ نماز جمعہ ۲۰۰۰:۶:۱۵

کربلا؛ مکتب تشیع کا ایک وجہ امتیاز

واقعہ کربلا کا ایک پہلو جو ماہ محرم کی مناسبت سے قابل بحث ہے اور اِس بارے میں بہت کم گفتگو کی جاتی ہے، وہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور واقعہ کربلا کو زندہ رکھنے کی برکتوں سے متعلق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے مسلمان مکاتب فکر کی بہ نسبت شیعہ مکتبہ فکر کا ایک امتیاز اُس کا واقعہ کربلا سے متصل ہونا ہے۔ جس زمانے سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب کا تذکرہ شروع ہوا تو اُسی وقت سے اہل بیت علیہم السلام کے محبوں اور چاہنے والوں کے اذہان میں فیض و برکت اور معنویت کے چشمے جاری ہوئے اور آج تک جاری ہیں اور یونہی جاری رہیں گے۔

زندگی میں پیار و محبت اور مہربانی کا کردار

واقعہ کربلا کا تذکرہ کرنا صرف ایک تاریخی واقعہ کو دہرانا نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جو بے شمار ابعاد و جہات کا حامل ہے۔ پس اِس واقعہ کا تذکرہ درحقیقت ایسا مقولہ ہے جو بہت سی برکتوں کا باعث ہوسکتا ہے لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ آئمہ طاہرین کے زمانے میں امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا اور دوسروں کو رُلانا ایک خاص اہمیت و مقام کا حامل تھا۔ مبادا کوئی یہ خیال کرے کہ عقل و منطق اور استدلال کی روشنی میں گریہ کرنا اور اِس قسم کی دوسری بحثیں سب قدیمی اور پرانی ہیں! نہیں، یہ غلط خیال ہے۔ ہمدردی کے احساسات کی اہمیت اپنی جگہ اور منطق و استدلال کی افادیت اپنی جگہ اور انسانی شخصیت کی تعمیر اور ایک اسلامی معاشرے کے قیام میں

دونوں خاص کردار کے حامل ہیں۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ جنہیں پیار و محبت اور میٹھی زبان سے ہی حل کیا جا سکتا ہے اور عقل و منطق اور استدلال اِن احساسات کی جگہ نہیں لے سکتے۔

اگر آپ انبیا کی تحریکوں کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ جب انبیا مبعوث ہوتے تھے تو پہلے مرحلے پر اُن کے گرد جمع ہونے والے افراد استدلال و برہان کی وجہ سے اُن کے پاس نہیں آتے تھے۔ آپ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو ملاحظہ کیجئے تو آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قابلیت و استعداد رکھنے والے کفار کو اپنے سامنے بٹھا کر دلیل و برہان سے بات کی ہو کہ یہ خدا کے وجود کی دلیل ہے یا اِس دلیل کی روشنی میں خدا، واحد ہے یا اِس عقلی دلیل کی بنیاد پر تم جن بتوں کی پرستش کرتے ہو وہ باطل ہے! دلیل و برہان کو وہاں استعمال کیا جاتا ہے کہ جب کوئی تحریک زور پکڑ جاتی ہے جبکہ پہلے مرحلے پر تحریک، ہمدردی کے جذبات و احساسات اور پیار و محبت کی زبان کے ہمراہ ہوتی ہے۔ پہلے مرحلے پر اُن کے سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ ”اِن بتوں کو دیکھو کہ یہ کتنے ناتوان اور عاجز ہیں“۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعوت کے پہلے مرحلے پر فرماتے ہیں کہ ”دیکھو! خداوند متعال، واحد ہے“،

”قُولُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا“

”کہو کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور فلاح پا جاؤ“۔

”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کہنا کس دلیل کی بنا پر ”تُفْلِحُوا“ (نجات پانے) کا باعث بنتا ہے؟

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں اِس بات کے لئے کون سی عقلی اور فلسفی دلیل پیش کی؟ البتہ ہر احساس میں کہ جو سچا اور صادق ہو، ایک فلسفی دلیل پوشیدہ ہوتی ہے۔

ہم یہاں اِس پر بحث کر رہے ہیں کہ جب کوئی نبی اپنی دعوت کا اعلان کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف عقلی اور فلسفی دلیل و برہان سے لوگوں کو دعوت نہیں دیتا بلکہ احساسات اور پیار و محبت کی زبان استعمال کرتا ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہ سچے احساسات، غلط اور بے منطق نہیں ہوتے

اور اِن میں استدلال و برہان پوشیدہ ہوتے ہیں۔ نبی پہلے مرحلے پر معاشرے میں موجود لوگوں پر ظلم وستم، طبقاتی نظام اور لوگوں پر جنّ وبشر اور شیاطینِ اِنس کے خودساختہ خداؤں "اَندَ ادُ اللّٰہ" کے دباؤ کو اپنا ہدف بناتا ہے؛ یہ ہے احساسات اور مہربانی کی زبان۔ لیکن جب کوئی تحریک اپنی راہ پر چل پڑتی ہے تو اُس کے بعد منطقی استدلال و برہان کی نوبت آتی ہے، یعنی وہ افراد جو عقل و خِرد اور فکری پیشرفت کے حامل ہوتے ہیں وہ اعلیٰ ترین دلیل و برہان تک پہنچ جاتے ہیں لیکن بعض افراد ابتدائی مراحل میں ہی پھنسے رہ جاتے ہیں۔

لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ جو دلیل و برہان کے اعلیٰ درجات کے حامل ہوتے ہیں وہ اعلیٰ معنوی درجات بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟ نہیں! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چھوٹی اور ابتدائی سطح کے استدلال رکھنے والے افراد میں مہربانی اور ہمدردی کے احساسات زیادہ ہوتے ہیں، عالم غیب سے اُن کا رابطہ زیادہ مستحکم ہوتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کی محبت کا دریا زیادہ موجیں مارتا ہے اور یہی لوگ ہیں جو عالی و بلند درجات تک پہنچتے ہیں۔

اعلیٰ ہدف

روحانیت اور معنویت کی دنیا میں محبت اور مہربانی کا اپنا ایک خاص اور الگ مقام ہے؛ نہ مہربانی، دلیل و برہان کی جگہ لے سکتی ہے اور نہ ہی دلیل و برہان، مہربانی، احساسات کی جگہ پُر کر سکتے ہیں۔ واقعہ کربلا اپنی ذات اور حقیقت میں سچے قسم کے مہربانی اور محبت کے جذبات و احساسات لئے ہوا ہے۔ ایک ایسے اعلیٰ صفت اور پاک و پاکیزہ نورانی انسان کی ملکوتی شخصیت میں نقص وعیب اور دھوکہ وفریب کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں ہے جو ایک عظیم ہدف کے لئے کہ جس کے بارے میں تمام منصفین عالم متفق القول ہیں کہ اُس کا قیام معاشرے کو ظلم وستم سے نجات دلانے کے لئے تھا، ایک عجیب وغریب تحریک کا آغاز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

"اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَن رَأیٰ سُلْطَانًا جَآئِرًا"۔ [1]

یہاں امام حسین علیہ السلام ظلم و ستم سے مقابلے کو اپنی تحریک کا فلسفہ قرار دے کر اُس کا اعلان فرما رہے ہیں کہ

"یَعْمَلُ فِی عِبَادِ اللّٰہِ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ" [2]

یعنی "جو بندگانِ خدا پر ظلم و جور اور گناہ و معصیت سے حکومت کر رہا ہے"۔

یہاں بات مقدس ترین اہداف کی ہے کہ جسے تمام منصفین عالم قبول کرتے ہیں؛ ایسا انسان اپنے ایسے بلند اور مقدس ہدف کی راہ میں جنگ اور مبارزے کی سختیوں اور مصائب کو تحمل کرتا ہے۔

---

[1] درسوگ امیر آزادی (ترجمہ مثیر الأحزان) ۰ ۳: ۴۔ دگرگونی مطلوب و خداپسندانہ..... ص:۲۹

[2] بحار الأنوار (ط - بیروت) / ج44 / 382 / باب 37 ما جری علیه بعد بیعة الناس لیزید بن معاویة إلی شهادته صلوات الله علیه و لعنة الله علی ظالمیه و قاتلیه و الراضین بقتله و المؤازرین علیه ..... ص: 310

غریبانہ جنگ

سب سے دشوار ترین جنگ، غریبانہ جنگ ہے۔ اپنے دوستوں کی دادو تحسین، نعروں، جوش وخروش اور ولولے کو بڑھانے کے احساسات کے ساتھ میدان جنگ میں موت کے منہ میں جانا چنداں مشکل نہیں ہے۔

صدر اسلام کی کسی جنگ میں جب حق و باطل کے لشکر مقابلے کے لئے صف آرا ہوئے تو محاذ جنگ میں سرفہرست رہنے والی شخصیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام پیش پیش تھے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ "کون ہے جو میدان جنگ میں جائے تا کہ دشمن کے فلاں معروف جنگجو کو قتل کر سکے"؟

سپاہ اسلام میں سے ایک نوجوان نے حامی بھری اور سامنے آ گیا؛ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آگے تک اُس کے ساتھ گئے، مسلمانوں نے بھی اُس کے لئے دعا کی اور وہ یوں میدانِ جنگ میں قدم رکھتا ہے، جہاد کرتا ہے اور درجہ شہادت پر فائز ہوتا ہے؛ یہ ایک قسم کا جہاد کرنا اور قتل ہونا ہے۔ ایک اور قسم کا جہاد وہ ہے کہ جب انسان میدان نبرد میں قدم رکھتا ہے تو معاشرے کی اکثریت یا اُس کی منکر و مخالف ہے یا اُس کی شخصیت اور مقام ومنزلت سے غافل؛ یا اُس سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے ہے یا اُس سے مقابلے کے لئے نیزوں کو ہوا میں لہرا رہی ہے اور تلواروں کو باہر نکالے ہوئے ہے اور وہ افراد جو اپنے قلب سے اُس کو دادو تحسین دینے والے ہیں وہ تعداد میں بھی کم ہیں اور وہ بھی اُس کو زبانی داد دینے کی

جرأت نہیں رکھتے۔

تحریک کربلا میں "عبداللہ ابن عباس" اور "عبداللہ ابن جعفر" جیسے افراد بھی جو خاندان بنی ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں اور اِسی شجرہ طیبہ سے متصل ہیں، جرأت نہیں کرتے کہ مکہ یا مدینہ میں کھڑے ہوکر فریاد بلند کریں، امام حسین علیہ السلام کے لئے اور اُن کی حمایت میں نعرے لگائیں؛ یہ ہے غریبانہ جنگ اور مبارزہ! اور یہ ایسی سخت ترین جنگ ہے کہ جہاں تمام افراد اِس لڑنے والے انسان سے روگرداں اور اُس کے دشمن ہوں۔

امام حسین علیہ السلام کی جنگ میں اُن کے بعض دوستوں نے بھی اُن سے منہ موڑ لیا تھا جیسا کہ اُن میں سے ایک سے جب سید الشہدا علیہ السلام نے کہا کہ "آؤ میری مدد کرو" تو اُس نے مدد کرنے کے بجائے حضرت کیلئے اپنا گھوڑا بھیج دیا اور کہا کہ "میرے گھوڑے سے استفادہ کیجئے"۔

اِس سے بھی بڑھ کر غربت وتنہائی اور کیا ہوگی اور اِس غریبانہ جنگ سے بھی بڑھ کر اور کون سی جنگ ہے؟!

اور اِس کے ساتھ ساتھ اِس غربت وتنہائی کی جنگ میں اُس کے عزیز ترین افراد کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کردیا جاتا ہے، اُس کے بھتیجے، بیٹے، بھانجے، بھائی، چچازاد بھائی، بہترین اصحاب اور گل ہائے بنی ہاشم اُس کے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیتے ہیں! حتیٰ اُس کے شیر خوار ششماہا بچے کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے!

اِن تمام مصائب اور جان فرسا سختیوں کے علاوہ وہ جانتا ہے کہ جیسے ہی اُس کی روح اُس کے جسم سے جدا ہوگی اُس کے اہل وعیال، بے پناہ و بے دفاع ہوجائیں گے اور دشمن کے حملوں کا نشانہ بنیں گے۔

وہ اِس بات سے بھی آگاہ ہے کہ سپاہِ یزید کے بھوکے بھیڑیے اُس کی چھوٹی اور نوجوان بچیوں پر حملہ آور ہوں گے، اُن کے ننھے ننھے دلوں کو خوف سے دہلائیں گے اور اُن کی بے حرمتی کریں گے۔

وہ اِس بات کا بھی علم رکھتا ہے کہ یہ بے غیرت لوگ دنیائے اسلام کی مشہور شخصیات سے تعلق رکھنے والی امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم دختر حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی بے حرمتی اور اُن سے جسارت کریں گے؛ وہ اِن تمام حالات سے آگاہ و باخبر تھا۔

اِن مشکلات اور سختیوں کے ساتھ ساتھ اُس کے اہل وعیال کی تشنگی کا بھی اضافہ کیجئے: شیر خوار بچہ تشنہ، چھوٹے بچے اور بچیاں پیاس سے جاں بہ لب اور نڈھال، بوڑھے اور ضعیف العمر افراد تشنگی سے بے حال؛ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ یہ جنگ کتنی سخت ہے؟

اتنا پاک و پاکیزہ، نورانی اور عظیم المرتبت انسان کہ آسمان سے ملائکہ جس کی زیارت کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لیتے ہیں تا کہ اُس سے متبرّک ہوں، ایسا انسان کہ انبیا اور اولیا جس کے بلند و بالا مقام پر رشک کرتے ہیں، ایسی سخت ترین جنگ اور شدید ترین مصائب اور طاقت فرسا سختیوں کے ساتھ شہید ہو جاتا ہے!

ایسے شخص کی شہامت بہت ہی عجیب وغریب ہے، ایسا کون سا انسان ہے کہ جو اِس دلخراش واقعہ کو سن کر متأثر نہ ہو؟

وہ کون سا انسان ہے کہ جس کے سینے میں دل دھڑکتا ہو اور وہ اِس واقعہ کو سمجھے، پہچانے اور اُس کا عاشق نہ بنے؟!

یہ وہ چشمہ ہے جو روزِ عاشور اُس وقت جاری ہوا کہ جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا "تلّہ زینبیہ" پر تشریف لے گئیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"وَا مُحَمَّدَاهُ صَلَّى عَلَيْكَ مَلِيكُ السَّمَاءِ هَذَا حُسَيْنٌ مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ صَرِيعٌ بِكَرْبَلَاءَ مُقَطَّعُ الْأَعْضَاءِ.........مَسْلُوبِ الْعِمَامَةِ وَ الرِّدَاءِ"[1]

---

[1] مناقب آل أبي طالب عليهم السلام (لابن شهر آشوب) / ج4 / 168 / فصل فی سیادتہ ع..... ص:167

"اے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آسمان کے ملائکہ آپ پر درود و سلام بھیجیں، یہ آپ کا حسین ہے، اپنے ہی خون میں غلطاں، جس کا جسم پائمال ہے اور جس کے عمامے اور عبا کو لوٹ لیا گیا ہے"۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یہاں امام حسین علیہ السلام کے مصائب پڑھنے شروع کیے اور با آواز بلند اُس واقعہ کو بیان کرنا شروع کیا کہ جسے یہ لوگ چھپانا چاہتے تھے۔ سید الشہداء علیہ السلام کی عظیم المرتبت خواہر نے کربلا و کوفہ اور شام و مدینہ میں با آواز بلند واقعہ عاشورا کو بیان کیا، یہ چشمہ اُس وقت اُبلا اور آج تک جاری و ساری ہے!

مجالس اورکربلا عظیم نعمت

جب ایک انسان کا دامن ایک نعمت سے خالی ہوتا ہے تو اُس سے اُس نعمت کا سوال بھی نہیں کیا جاتا لیکن جب انسان ایک نعمت سے بہرہ مند ہوتا ہے تو اُس سے اُس نعمت کے متعلق ضرور باز پُرس کی جائے گی۔ ہمارے پاس بزرگترین نعمتوں میں سے ایک نعمت، مجالس عزا، محرم اورکربلا کی نعمت ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہمارے غیر شیعہ مسلمان بھائیوں نے اپنے آپ کو اِس نعمت عظمیٰ سے محروم کیا ہوا ہے، وہ اِس نعمت سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں اور اِس کے امکانات بھی موجود ہیں۔ البتہ بعض غیر شیعہ مسلمان بھی دنیا کے گوشہ و کنار میں محرم کے ذکر اور واقعہ کربلا سے بہرہ منداور مستفید ہوتے ہیں۔ آج جبکہ ہمارے درمیان محرم اور واقعہ کربلا کا تذکرہ اور امام حسین علیہ السلام کی بے مثال قربانی کا ذکر موجود ہے تو ایسے وقت میں اِن مجالس اور تذکرے سے کیا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اِس نعمت کا شکرانہ کیا ہے؟

ظالم طاقتوں کا کربلا سے خوف میں مبتلا ہونا

یہ عظیم نعمت، ہمارے قلوب کو ایمان و اسلام کے منبع سے متصل کرتی ہے اور ایسا کام انجام دیتی ہے کہ جو اُس نے تاریخ میں انجام دیا کہ جس کی وجہ سے ظالم و جابر اور ستمگر حکمران واقعہ کربلا سے خوف میں مبتلا ہوگئے حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک سے بھی خوف کھانے لگے۔ واقعہ کربلا اور شہدائے کربلا سے خوف و ہراس بنی امیہ کے زمانے سے شروع ہوا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

آپ نے اِس کا ایک نمونہ خود ہمارے انقلاب میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، جب بھی محرم کا چاند طلوع ہوتا تھا تو کافر و فاسق پہلوی حکومت اپنے ہاتھوں کو بندھا ہوا محسوس کرتی اور ہماری کربلائی عوام کے مقابلے کے لئے خود کو عاجز پاتی تھی اور پہلوی حکومت کے اعلیٰ حکام محرم کے سامنے عاجز و درماندہ ہوجاتے تھے! اُس حکومت کی رپورٹوں میں اشاروں اور صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محرم کی آمد سے بالکل چکرا جاتے تھے۔

حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، اُس دین شناس، دنیا شناس اور انسان شناس حکیم و دانا نے سمجھ لیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے اہداف تک رسائی کے لئے اِس واقعہ سے کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اُنہوں نے اِس سے اچھی طرح استفادہ کیا بھی۔ [1]

---

[1] ماہ محرم کی آمد پر علماء سے خطاب ۲۰۰۴:۶:۷

تحریک امام حسین علیہ السلام میں مضمر تین عظیم پہلو

انقلابی تحریک، معنویت اور مصائب

تاریخ میں ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والی اِس حسینی علیہ السلام تحریک کو تین پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے اور اِن تین پہلوؤں میں سے جو پہلو سب سے زیادہ جلوہ افروز ہے وہ عزت و سربلندی اور افتخار کا پہلو ہے۔

اِس تحریک کا ایک اور پہلو طاقتور باطل اور حق کے درمیان جنگ ہے کہ جس میں امام حسین علیہ السلام نے ایک انقلابی تحریک اور اصلاح کے لئے جدوجہد کی روش کو اپنایا، اِس تحریک کا ایک اور پہلو معنویت و اخلاق ہے۔ اِس قیام و تحریک میں ایک ایسا مبارزہ اور جنگ وجود رکھتی ہے جو سیاسی اور اجتماعی پہلوؤں، انقلابی اقدامات اور حق و باطل کے علی الاعلان برسرِ پیکار آنے کے علاوہ ہے اور وہ انسانوں کے نفس اور اُن کے باطن کی جنگ ہے جہاں انسانی وجود کے اندر موجود کمزوریاں، مختلف قسم کی لالچیں، ذلت و پستی، شہوت پرستی اور خواہشات نفسانی کی پیروی اُسے بڑے اور اہم فیصلے کرنے اور بڑے بڑے قدم اٹھانے سے روکتی ہے۔ یہ ایک میدانِ جنگ ہے اور یہ ایسی جنگ ہے جو اپنی سختی و دشواری کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتی؛ جہاں اہل ایمان اور فداکار مرد و زن کی ایک مختصر سی جماعت سید الشہدا علیہ السلام کے پیچھے چل پڑتی ہے تو وہاں اُن کے احساسِ ذمہ داری کے سامنے دنیا و مافیہا، دنیوی لذتوں اور اُس کی زیبائی اور رنگینیوں کی

کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی! یہ ایسے انسان ہیں کہ جن کے باطن میں اُن کی معنویت کہ جسے روایات میں جنود عقل (خدائی لشکر) سے تعبیر کیا گیا ہے، نے اُن کے شیطانی لشکروں یعنی جنود جہل (شیطانی لشکر) پر غلبہ پالیا ہے اور اُن کا نام عظیم انسانوں کی حیثیت سے تاریخ میں سنہری حروف سے آج تک درج ہے۔ تیسرا پہلو کہ جو عوام میں زیادہ مشہور ہے، وہ مصائب اور غم واندوہ کا پہلو ہے لیکن اِس تیسرے پہلو میں بھی عزت وسربلندی اپنے عروج پر نظر آتی ہے لہٰذا اہل فکر و نظر کو اِن تینوں پہلوؤں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ انقلابی تحریک میں عزت وسربلندی کا عنصر

امام حسین علیہ السلام کی تحریک وقیام کی پہلی جہت میں کہ جہاں امام علیہ السلام نے ایک انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی، عزت وسربلندی موجزن ہے؛ سید الشہداء علیہ السلام کے مدمقابل کون تھا؟ آپ کے مدمقابل ایسی ظالم وفاسق حکومت تھی کہ "یَعمَلُ فِي عِبَادِاللّٰہِ بِالاِثمِ وَالعُدوَان"، جو معاشرے میں گناہ وسرکشی سے حکومت کررہی تھی۔ اُس معاشرے کی حالت یہ تھی کہ پورا معاشرہ اُس ظالم حکومت کے پنجوں میں جکڑا ہوا تھا اور جہاں بندگانِ خدا پر ظلم وستم، غرور وتکبر اور خودخواہی اور خود پرستی کی بنیادوں پر حکومت کی جاتی تھی، لوگوں کے ایمان ومعنویت اور اُن کے انسانی حقوق کا ذرا سا بھی خیال نہیں رکھا جاتا ہے، برسر اقتدار طبقہ نے اسلامی حکومت کو ظہور اسلام سے قبل دنیا میں موجود طاغوتی حکومتوں میں تبدیل کردیا تھا جبکہ ایک اسلامی نظام کی اہم ترین خصوصیت، اُس کی "عادلانہ حکومت" ہے اور اُس تصوّراتی معاشرے (مدینہ فاضلہ) کے خدوخال کہ جسے اسلام شکل وصورت دینا چاہتا تھا، حکومت کے طرز عمل اور حاکم وقت کے رویے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اُس زمانے کی بزرگ ہستیوں کے بقول، امامت کو ملوکیت وسلطنت میں تبدیل کردیا

گیا تھا۔ امامت یعنی دین و دنیا کی رہبری و راہنمائی، یعنی اُس کارواں کی قیادت جو ایک خاص الخاص اور عظیم ہدف کے لئے حرکت کر رہا ہو کہ جہاں ایک فرد آگے آگے رہ کر کارواں میں شامل تمام افراد کی راہنمائی و قیادت کرے۔ اِس طرح کہ اگر کوئی راستہ گم کر دے (یا کارواں سے پیچھے رہ جائے) تو وہ رہبر اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے دوبارہ قافلے سے ملا دے، اگر کوئی تھک کر راستے میں بیٹھ جائے تو بقیہ راستہ طے کرنے کے لئے اُس کی ہمت بندھائے، اگر کسی کا پاؤں زخمی ہو جائے تو اُس کی مرہم پٹی کرے اور قافلے میں شامل تمام افراد کی مادی اور معنوی مدد کرے۔

اِسے اسلامی اصطلاح میں "امام" یعنی امامِ ہدایت کہا جاتا ہے؛ جبکہ ملوکیت و سلطنت اِس مفہوم و معنی کے بالکل متضاد ہے، سلطنت و ملوکیت یعنی میراث میں ملنے والی بادشاہت کہ جو سلطنت کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ دنیا میں ایسے بھی سلاطین ہیں کہ جن کے نام سلطان اور بادشاہ نہیں ہیں لیکن اُن کے باطن دوسروں پر تسلط و برتری اور ظلم و ستم کی رنگ و بُو سے پُر ہیں۔ جو بھی تاریخ کے جس دور میں بھی جب اپنی قوم یا دوسری اقوام پر ظلم کرے گا، خواہ اُس کا نام کچھ بھی ہو، اُسے سلطنت و ملوکیت ہی کہا جائے گا۔ ایک ملک کا صدر کہ جس کی تمام حکومتیں مستبکر اور ڈکٹیٹر رہی ہیں اور آج اُس کا واضح نمونہ امریکا ہے، اپنے آپ کو یہ حق دیتا ہے کہ کسی اخلاقی، علمی اور سیاسی حقوق کے بغیر اپنے اور اُس کی حمایت کرنے والی کمپنیوں کے منافع کو ملینوں انسانوں کے منافع پر ترجیح دے اور دنیا کی اقوام کے فیصلے خود کرے؛ یہ ہے سلطنت و ملوکیت اور آمریت، خواہ اِس کا نام بادشاہت ہو یا نہ ہو!

امام حسین علیہ السلام سے بیعت کے مطالبہ کی حقیقت

حضرت امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں امامت کو اِسی قسم کے نظام حکومت میں تبدیل کر دیا گیا تھا:

"یَعْمَلُ فِی عِبَادِ اللّٰہِ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ" [1]
ظلم وستم اور گناہ کے ذریعہ لوگوں پر حکومت کی جارہی تھی۔

اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے اِن بدترین حالات سے مقابلہ کیا۔آپ کی جنگ مسلمانوں کو آگاہ کرنے،حقائق کو روشن وواضح کرنے،لوگوں کی ہدایت اور یزید یا اُس سے قبل کے زمانوں کے حق و باطل کی درمیانی حد کو مشخص کرنے کی جنگ تھی۔فرق یہ ہے کہ جو کچھ یزید کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا وہ یہ تھا کہ وہ ظلم،فاسق اور گمراہ حاکم اِس موقع کے انتظار میں تھا کہ امام حسین علیہ السلام جیسا ہدایت کا ہادی اور راہنما اُس کی حکومت کو قبول کرلے اور اُس کے کاموں پر اپنی رضایت و پسندیدگی کا اظہار کرے! جس بیعت کا امام حسین علیہ السلام سے مطالبہ کیا گیا تھا وہ یہی تھی۔

یزید امام حسین علیہ السلام سے اِس بات کا خواہاں تھا کہ وہ آپ کو مجبور کرے کہ آپ لوگوں کو ہدایت و راہنمائی کرنے کے بجائے اِس ظالم حکومت کی گمراہی وضلالت کو لوگوں کے لئے جائز صورت میں بیان کریں کہ آؤ اور اِس ظالم حکومت کی تائید کرو اور اِس کے ہاتھ مضبوط بناؤ! امام حسین علیہ السلام کا قیام اِسی جگہ سے شروع ہوتا ہے۔اگر یزیدی حکومت کی طرف سے اِس قسم کا بے جا اور بیہودہ و احمقانہ مطالبہ نہیں کیا جاتا تو اِس بات کا امکان تھا کہ سید الشہدا علیہ السلام نے جس طرح معاویہ کے دور حکومت میں امّت کی ہدایت و راہنمائی کی اور جس انداز سے آپ کے بعد آنے والے ائمہ رہنمائی فرماتے رہے،آپ بھی پرچم ہدایت کو اٹھاتے،لوگوں کی ہدایت کرتے اور حقائق کو اُن کے لئے بیان فرماتے۔لیکن یزید نے اپنی جہالت وتکبر اور تمام فضائل اور معنویات سے دوری کی وجہ سے جلدی میں ایک قدم آگے بڑھایا اور امام حسین علیہ السلام سے اِس بات کی توقع

---

[1] بحار الأنوار (ط-بیروت) / ج44 / 382 / باب 37 ما جری علیه بعد بیعة الناس لیزید بن معاویة إلی شهادته صلوات الله علیه و لعنة الله علی ظالمیه و قاتلیه و الراضین بقتله و المؤازرین علیه ..... ص: 310

کی کہ وہ اسلام کے بے مثال "نظریہ امامت" کے طاغوتی اور سلطنت و بادشاہت کی تبدیلی کے سیاہ قانون پر دستخط کردیں یعنی اُس کے ہاتھوں پر بیعت کرلیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سید الشہدا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مِثْلِی لَا یُبَایِعُ مِثْلَهُ" [۱]

"میرا جیسا یزید جیسے کی ہرگز بیعت نہیں کرسکتا"

یعنی حسین کبھی ایسی بیعت نہیں کرے گا۔ امام حسین علیہ السلام کو پرچم حق کے عنوان سے تاابد تک باقی رہنا ہے اور حق کا پرچم نہ تو باطل طاقتوں کے لئے استعمال ہوسکتا اور نہ ہی اُس کے رنگ میں رنگ سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"هَیهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة" [۲]

"ذلت ہم سے دور ہے"۔

امام حسین علیہ السلام کی تحریک، عزت وسربلندی کی تحریک تھی یعنی عزتِ حق، عزتِ دین، عزتِ امامت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دکھائے ہوئے راستے کی عزت! سید الشہدا علیہ السلام چونکہ عزت کا مظہر کامل تھے لہٰذا آپ نے قیام فرمایا؛ یہ ہے حسینی علیہ السلام عزت وسربلندی!

ایک وقت کوئی شخص کوئی بات زبان سے ادا کرتا ہے اور اپنی بات کہہ کر اپنے مقصد کو بیان کرتا ہے لیکن ہدف کے حصول تک اپنی بات پر قائم نہیں رہتا اور سخت حالات اور پریشانیوں کی وجہ سے عقب نشینی کرلیتا ہے تو ایسا شخص ہرگز باعث عزت وافتخار نہیں ہوسکتا۔ عزت وافتخار اُس انسان، جماعت یا قوم کے لئے سزاوار ہوتی ہے کہ جو اپنی زبان سے ادا کی گئی باتوں پر آخر وقت تک قائم رہتے ہیں اور اِس بات کا موقع نہیں آنے دیتے کہ جو پرچم اُنہوں نے بلند کیا ہے

---

[۱] بحارالانوار جلد ٤٤، صفحہ ٣٢٥

[۲] بحارالانوار جلد ٤٥، صفحہ ٨٣

طوفان کی تُند و تیز ہوائیں اُسے گرادیں۔ امام حسین علیہ السلام اِس پرچم ہدایت کو مضبوطی سے تھامے رہے اور اِس راہ میں اپنی اور اپنے عزیز ترین افراد کی شہادت اور اپنے اہلِ وعیال کی قید تک مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رکھے؛ یہ ہے انقلابی تحریک میں عزت وافتخار اور سربلندی کا معنی۔

۲۔ معنویت وفضیلت کا مجسم ہونا

معنویت کا عنصر بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام اور تحریک میں مجسم نظر آتا ہے ؛ بہت سے افراد امام حسین علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور اُنہیں اُن کے قیام کی وجہ سے سرزنش کرتے ہیں۔ یہ افراد معمولی یا برے افراد نہیں تھے بلکہ بعض اسلام کی بزرگ ہستیوں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن یہ افراد غلط سمجھ بیٹھے تھے اور بشری کمزوریاں اِن پر غالب آ گئی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے چاہا کہ امام حسین علیہ السلام کو بھی اُنہی بشری کمزوریوں کے سامنے مغلوب بنا دیں۔ سید الشہدا علیہ السلام نے صبر کیا اور مغلوب نہیں ہوئے اور یوں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شامل ایک ایک شخص اِس معنوی اور اندرونی جنگ میں کامیاب ہوگیا۔ وہ ماں کہ جس نے اپنی پوری خوشی اور سربلندی کے ساتھ اپنے نوجوان بیٹے کو میدان جنگ بھیجا یا وہ نوجوان کہ جس نے دنیاوی لذتوں کو خیرآباد کہہ کر خود کو میدان جنگ میں لہرائی جانے والی خون کی تشنہ تلواروں کے سامنے پیش کردیا یا حبیب ابن مظاہر جیسے بزرگ افراد اور مسلم ابن عوسجہ جیسے لوگ جو اپنی ایام پیری کے راحت و آرام، نرم وگرم بستروں اور گھر بار کو چھوڑ آئے اور میدان جنگ کی تمام سختیوں کو تحمل کیا۔ اِسی طرح سپاہ دشمن میں ایک خاص مقام کے حامل شجاع ترین سردار یعنی حُرابن یزید ریاحی نے اپنے مقام ومنزلت سے صرف نظر کیا اور حسین ابن علی علیہما السلام سے جاملا، یہ سب افراد معنوی اور باطنی جنگ میں کامیاب ہوئے۔

اُس معنوی جنگ میں جو لوگ بھی کامیاب ہوئے اور عقل و جہالت کے لشکروں کی محاذ

آرائی میں عقل کے لشکروں کو جہالت کے لشکروں پر غلبہ دینے میں کامیاب وکامران ہوئے، اُن کی تعداد بہت کم تھی لیکن اُن کی استقامت اور ثبات قدم اِس بات کا سبب بنے کہ تاریخ کے ہزاروں افراد اُن سے درس حاصل کریں اور اُن کی راہ پر قدم اٹھائیں۔ اگر یہ لوگ اپنے وجود میں فضیلتوں کو رذیلتوں پر غلبہ نہیں دیتے تو تاریخ میں فضیلتوں کا درخت خشک ہوجاتا ہے مگر اِن افراد نے اپنے خون سے اِس درخت فضیلت کی آبیاری کی۔

آپ نے اپنے زمانے میں بہت سے افراد کو دیکھا ہے کہ جو رذائل وفضائل کی اِس جنگ میں کامیاب ہوئے ہیں اور اُنہوں نے اپنی خواہشات نفسانی کو عقل اور صحیح دینی فکر سے کنٹرول کیا ہے۔ دنیا کے لوگوں نے آپ سے بہت سی باتیں سیکھی ہیں؛ یہ فلسطینی ماں جو اپنے بیٹے کے ماتھے کو چوم کر اُسے میدان جنگ میں بھیجتی ہے اِس کی ایک مثال ہے۔ اِسی فلسطین میں سالوں سے زن ومرد اور پیر وجوان سبھی موجود تھے۔

لیکن اپنے ضُعف اور معنوی جنگ کی صف آرائی میں عقل کے لشکروں کے جہالت کے لشکروں پر غالب نہ آنے کی وجہ سے فلسطین ذلت ورسوائی کا شکار ہوگیا اور دشمن نے اُس پر غلبہ پالیا۔ لیکن آج یہی فلسطین ایک دوسری شکل میں موجود ہے، آج فلسطین نے قیام کرلیا ہے، آج فلسطینی عوام نے اپنے اندر معنوی جنگ کی صف آرائی میں معنوی لشکروں کو غالب کردیا ہے اور یہ قوم کامیاب اور سرفراز ہوگئی ہے۔

۳۔ مصائب کربلا میں عنصر عزت

کربلا کے تیسرے پہلو یعنی مصائب اور مشکلات میں بھی جابجا مقامات پر عزت و افتخار اور سربلندی کا عنصر نظر آتا ہے۔ اگرچہ کہ یہ مصائب کا میدان اور بابِ شہادت ہے، اگرچہ کہ جوانانِ بنی ہاشم میں سے ہر ایک کی شہادت، بچوں کی، اطفال صغیر کی اور بزرگ اور عمر رسیدہ

اصحاب کی شہادت حضرت سید الشہدا علیہ السلام کے لئے ایک بہت بڑے غم اور مصائب کا باعث ہے لیکن اِس کے خود اُن کیلئے اور مکتبِ تشیع کے لئے عزت وسر بلندی کا باعث ہے۔[1]

ہمارا وظیفہ:

شہادت کی حقیقت و ذکر کو زندہ رکھنا بنیادی طور پر اربعین (چہلم) کی اہمیت اِس بات میں ہے کہ اِس دن خداوند عالم کی تدبیر اور خاندان اہل بیت علیہم السلام کی کوششوں سے امام حسین علیہ السلام کی تحریک و قیام کا ذکر ہمیشہ کے لئے زندہ وجاوید ہوگیا اور روزِ اربعین اِس کام کی مضبوط و مستحکم بنیادیں رکھی گئیں۔ اگر شہداء کے ورثا اور اصلی جانشین، حضرت امام حسین علیہ السلام کی روزِ عاشورا شہادت اور دیگر واقعات کے ذکر اور اُن کی شہادت کے آثار ونتائج کی حفاظت کے لئے کمر بستہ نہ ہوتے تو آنے والی نسلیں شہادتِ عظمیٰ کے نتائج سے زیادہ استفادہ نہیں کر پاتیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ خداوند متعال اِس دنیا میں بھی شہداء کو زندہ رکھتا ہے اور شہید تاریخ کے صفحات اور افراد کے اذہان میں خود بخود زندہ رہتا ہے لیکن خداوند عالم نے اِس واقعہ کے لئے دوسرے واقعات کی مانند عام نوعیت کے جن وسائل وامکانات کو قرار دیا ہے وہ یہی چیز ہے کہ جو ہمارے اختیار میں ہے اور ہمارے ارادے سے وابستہ ہے اور یہ ہم ہیں کہ جو اپنے صحیح فیصلوں سے شہداء کے ذکر اور فلسفہ شہادت کا احیاء کر سکتے ہیں۔

اگر حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اور امام سجاد علیہ السلام اپنی اسیری کے ایام میں خواہ کربلا میں عصرِ عاشور کا وقت ہو یا کوفہ وشام کی راہوں کی اسیری ہو یا پھر شام اور اُس کے بعد کربلا کی زیارت اور مدینہ روانگی اور اپنی حیات کے آخری لمحات تک کا زمانہ ہو، مقابلہ نہ کرتے اور اپنے بیانات اور خطبات کے ذریعہ باطل کے چہرے پر پڑی نقاب نہ الٹتے اور کربلا کے حقیقی فلسفے،

---

[1] "دوکوھہ" فوجی تربیتی کیمپ میں عوامی اجتماع سے خطاب ۲۹:۳:۲۰۰۲

امام حسین علیہ السلام کے ہدف اور دشمن کے ظلم وستم کو بیان نہ کرتے تو واقعہ کربلا آج زندہ نہ ہوتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ "اگر کوئی واقعہ کربلا کے بارے میں ایک شعر کہے اور اُس شعر کے ذریعہ لوگوں کو رُلائے تو خداوند عالم اُس پر جنت کو واجب کر دیتا ہے"! وجہ یہ ہے کہ دشمن کی تمام پروپیگنڈا مشینری واقعہ کربلا بالعموم اہل بیت علیہم السلام کو مٹانے اور اُنہیں تاریکی میں رکھنے کے لئے کمربستہ ہوگئی تھی تاکہ لوگ اِس واقعہ کی رنگ وبو بھی نہ پاسکیں؛ یہ تھا اُن کا پروپیگنڈا۔ اُس زمانے میں بھی آج کی طرح ظالم وستمگر طاقتیں اپنے جھوٹے، مغرضانہ اور شیطنت آمیز پروپیگنڈے سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتی تھیں۔ ایسی فضا اور ماحول میں کیا ممکن تھا کہ واقعہ کربلا جو اپنی تمام تر عظمت وسربلندی کے ساتھ دنیائے اسلام کے ایک گوشہ میں رونما ہوا تھا اِس عظمت کے ساتھ باقی رہتا؟ اگر اِن شخصیات کی محنت وجدوجہد اور ایثار وقربانی نہ ہوتی تو یہ واقعہ تاریخ کے اوراق میں دفن ہوجاتا۔

جس چیز نے اِس ذکر کو زندہ رکھا ہے وہ سید الشہدا علیہ السلام کے حقیقی وارث تھے۔ جس طرح امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحابِ باوفا کا جہاد اور اُن کے مصائب سخت تھے، اُسی طرح حضرت زینب، حضرت امام سجاد علیہ السلام اور بقیہ افراد کا جہاد اور اسیری کی صعوبتیں اور سختیاں برداشت کرنا بھی بہت دشوار ومشکل ترین کام تھا۔ فرق یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد میدانِ جنگ میں آنے والوں نے تلواروں اور نیزوں سے جنگ نہیں کی بلکہ تبلیغ اور (خطبات، اشعار، احساسات اور گریہ واشک جیسے) ثقافتی ہتھیاروں سے دشمن کو زمین بوس کردیا۔ ہمیں اِس اہم نکتہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

درسِ اربعین

اربعین (چہلم) کا درس یہ ہے کہ دشمن کے پروپیگنڈے کے طوفان کی تند و تیز ہواؤں میں ذکرِ شہادت اور اُس کی حقیقت و فلسفے کو زندہ رکھنا چاہیے۔ آپ توجہ کیجئے کہ انقلاب اسلامی کی ابتدا سے لے کر آج تک انقلاب، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، اسلام اور ہماری قوم کے خلاف دشمن کا پروپیگنڈا کتنا زیادہ تھا، اگر دشمن کے اِس پروپیگنڈے کے جواب میں اہل حق کی تبلیغ نہ ہوتی اور نہ ہو تو دشمن پروپیگنڈے کے میدان میں غالب آجائے گا چنانچہ پروپیگنڈے اور تبلیغ کا میدان بہت عظیم، اہمیت والا اور خطرناک میدان ہے۔

یزید کے ظالم و جابر نظام حکومت نے اپنے پروپیگنڈے سے امام حسین علیہ السلام کو شکست دینی چاہی اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ حسین ابن علی علیہما السلام وہ شخص ہے کہ جس نے عدل و انصاف کے نظام، اسلامی حکومت کے خلاف اور دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے قیام کیا ہے!! بعض افراد نے اِس جھوٹے پروپیگنڈے کو من و عن قبول بھی کرلیا اور جب سید الشہدا علیہ السلام کو نہایت بے رحمی و بے دردی سے یزیدی جلادوں نے صحرائے کربلا میں شہید کیا تو آپ کی شہادت کو ایک عظیم غلبہ اور فتح قرار دینے لگے! لیکن نظام امامت کی اِس "تبلیغ حق" نے یزیدی حکومت کے مضبوطی سے بُنے ہوئے اِس جال کا ایک ایک تار کھول ڈالا اور اُس کی بساط الٹ دی اور حق اِسی طرح ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] حدیث ولایت، جلد ۲ صفحہ ۱۴۳-۱۴۱